نَے چراغِ نَے گُلے

صفیہ احمد

صفیہ احمد

نَے چراغِ نَے گُلے

کتاب پبلی کیشنز
714 ریگل ٹریڈ اسکوائر
صدر کراچی۔74400 پاکستان

انتساب

اپنے بچوں

دانش کمال

رعنا۔ افشاں۔ رخشاں

کے نام

ترتیب

تازہ ہوا کا جھونکا ..... مجتبیٰ حسین 7

صفیہ سمیع احمد ..... رضیہ فصیح احمد 9

صفیہ سمیع احمد کا فن ..... آصف الرحمٰن طارق 11

صفیہ احمد نازک خیال ادیبہ! ..... جاوید اختر پاشا 13

اپنی کہانی ..... صفیہ احمد 15

کہاں سے کہاں تک 19

دوزخم کاری 25

بڑا مزا اس ملاپ میں ہے 31

کیا وہ تم تھیں 41

زودِ پشیماں کا پشیماں ہونا 45

جادو کی ہانڈی 51

آخری اسٹیشن 59

رنگا سیّار 63

تازہ ہوا کا جھونکا

آج کل دنیا میں نئے نئے انقلابات رونما ہو رہے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ مرد حضرات اپنی سرپرستی اور بالادستی جتانے کی خاطر خواتین سے کہا کرتے تھے کہ اُن کو مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہیئے اور دل ہی دل میں یہ سوچا کرتے تھے کہ یہ بھلا شانہ بشانہ کیا کام کریں گی، انہیں گھر گرہستی سے فرصت ملے تب نا۔ لیکن اب معاملہ دوسرا ہے۔ عورتیں خلاء میں مہینوں قیام کرنے کا ریکارڈ قائم کر رہی ہیں۔ ملک کی صدارت سنبھال رہی ہیں۔ کھیل کے میدانوں میں مردوں کے چھکے چھڑا رہی ہیں۔ اکیسویں صدی میں شاید خواتین مردوں سے کہیں گی کہ یہ پسماندگی کب تک! آیئے ہم عورتوں کی رہبری میں کوئی کارِنمایاں کر کے دکھلایئے۔

ادب کے میدان میں خواتین کا داخلہ بھی بہت طوفان خیز ہے۔ یورپ اور امریکہ میں خاتون ادیبوں اور شاعرات کی تعداد اس تیزی سے بڑھ رہی ہے اور اُن کے قلم سے ایسی بہترین تحریریں نکل رہی ہیں کہ انہیں پڑھتے ہوئے خوشی بھی ہوتی ہے اور رشک بھی محسوس ہوتا ہے۔ صفیہ سمیع احمد جنہوں نے حسن چشتی

صفیہ سمیع احمد

صفیہ سمیع احمد کے افسانے آپ کے سامنے ہیں۔ یہ بچپن سے افسانے شوق سے پڑھتی رہی ہیں ،مگر میرے برخلاف لکھنے کی طرف اس وقت توجہ دی جب تمام دیگر فرائض یعنی بچوں کی شادی اور حج وغیرہ سے فارغ ہوگئیں۔ چھپوانے کی طرف توجہ اور بھی کم رہی کہ ہجرت کر کے امریکہ آگئیں۔ پھر بھی آپ کے افسانے ہفت روزہ اخبارِ جہاں ، پاکستان لنک،سیاست حیدرآباد اور پارس کینیڈا میں شائع ہوئے۔ ہر کس و ناکس کے افسانے انہیں پسند بھی نہیں آتے اس لئے امید رکھئے کہ ان کے افسانے معیاری تو ہوں گے ہی۔

انہوں نے کبھی کہا نہیں مگر میں دل ہی دل میں یہ سوچ کر خوش ہو لیتی ہوں کہ شاید ان کی افسانہ نگاری میں میری نگارشات کی طرف سے کوئی تحریک رہی ہو۔ میری مجبوری ہے کہ ان کے افسانوں کی زیادہ تعریف نہیں کرسکتی کہ وہ میری بڑی بہن ہیں۔ پڑھنے والے یہی کہیں گے کہ بہن کی تعریف نہ کرتیں تو کیا کرتیں۔اس لئے یہی کہنے پر اکتفا کرتی ہوں کہ یہ افسانے مختصر افسانے کی تعریف اور لوازمات

صفیہ احمد کا فن

میں نے صفیہ احمد کے افسانے پڑھے۔ مجھے خوشی ہے کہ انہوں نے نثر کی طرف توجہ دی۔ نارتھ امریکہ میں نثر کا خانہ تقریباً خالی ہے اور نثر لکھنے والوں کا کال ہے۔ ایسے میں صفیہ جیسے لوگوں کا دم غنیمت ہے جنہوں نے نثر کا ڈول ڈال رکھا ہے۔ یہی ہم سب کا فرض ہے کہ صفیہ اور ان جیسے ہر اس لکھنے والے کی ہمت افزائی کریں جو نثر لکھ رہا ہے۔ شاباش صفیہ

میرا عقیدہ ہے کہ ہر شخص منٹو یا بیدی نہیں بن سکتا۔ ہم سب اپنے اپنے حصہ کا کام کر رہے ہیں۔ صفیہ بھی اپنے حصہ کا کام کر رہی ہیں۔ میری تمنا ہے کہ وہ بہتر سے بہتر طریقہ سے اپنے اس کام کو آگے بڑھائیں۔

ہر چند کہ میں نے صفیہ کے صرف چار افسانے پڑھے ہیں تاہم وہ جو مثل ہے کہ ''پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آجاتے ہیں'' اس مثل کے مصداق صفیہ کے افسانے پڑھ کر مجھے ان کا وہ قد نظر آ گیا جو ان کے افسانوں میں چھپا ہوا ہے۔

ان کے افسانے پڑھ کر پہلا تاثر جو میرے ذہن میں ابھرا وہ یہی ہے کہ

صفیہ احمد نازک خیال ادیبہ!

محترمہ صفیہ احمد سے میرا پہلا تعارف گزشتہ روز اس وقت ہوا جب ان کی طرف سے کچھ کہانیاں بذریعہ ڈاک برائے تبصرہ موصول ہوئیں۔ تبصرہ نگاری بذات خود ایک فن ہے اور اتفاق سے میں اس فن میں بھی اتنا ہی نکما ہوں جتنا کہ ان تمام فنون میں جن کے بارے میں مجھے دعویٰ ہے کہ مجھے کچھ آتا ہے جیسا کہ کھانا کھانے کا فن۔ اس روز ہمارے ان تمام دعووں کی قلعی کھل گئی جب مقابلے پر ماشاءاللہ بھولو پہلوان تشریف فرما تھے۔ ان کی تمام تر توجہ اس مقابلے کے جیتنے پر تھی اور ہم راستہ تلاش کر رہے تھے اور موقع کی تلاش میں تھے کہ کب غائب ہوں۔

تبصرہ تو خیر کیا لکھنا تھا لیکن چونکہ پڑھنے سے دلچسپی ہے اور وہ بھی خود اپنا لکھا ہوا پڑھنے کی حد تک، بہرحال ایک روز ہمت کر کے محترمہ صفیہ احمد کی ارسال کردہ کہانیاں اٹھائیں اور ایک کو پڑھنا شروع کیا۔ تحریر ایسی کہ گلے پڑ گئی، پڑھتا ہی چلا گیا تھوڑی دیر بعد جھٹکا سا لگا کیونکہ لفافے میں مزید کچھ نہ تھا۔ ارسال کردہ

اپنی کہانی

میری کہانیاں اور قصے آپ کے سامنے ہیں۔ حالانکہ ان کو چالیس سال پہلے منظر عام پر آجانا چاہئے تھا۔ اس کو آپ میری کوتاہی کہئے یا عدیم الفرصتی کہ میں ان کو صفحہ قرطاس پر تحریر نہ کر سکی۔ باوجود یہ کہ وہ سب میرے دل پر لکھے جا چکے تھے اور مجھے بے چین رکھتے تھے کہ کسی صورت میں انہیں باہر نکالوں۔ ان میں کچھ تو میرے بچپن کی یادیں ہیں اور کچھ میری زندگی کے مشاہدات و تجربات جب کبھی ذرا فرصت ملی تو دو ایک افسانے اخبارِ جہاں میں شائع کروائے۔ میرا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میں ایک وقت میں ایک کام ہی کرتی ہوں مبادا الجھن میں نہ پڑ جاؤں یا دوسرے کام کو خوش اسلوبی سے نباہ نہ سکوں۔

بچوں کی پرورش، بیٹیوں کی شادیاں پھر میاں کی گورنمنٹ کی ملازمت کی وجہ سے ایک جگہ ٹک کر بیٹھنا نہ ہوا۔ کراچی سے مشرقی پاکستان چاٹگام ٹرانسفر پر جانا پڑا وہ ایک خوبصورت شہر تھا۔ صاف ستھرا چاروں طرف سرسبز پہاڑ اور میدان کئی کئی دن بارش کی جھڑی لگی رہتی تھی دیوار پر سبزہ نظر آنے لگتا تھا بقول غالب

کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ادب ہماری گھٹی میں پڑا ہے میری بہن رضیہ فصیح احمد کے متعلق تو آپ سب جانتے ہیں۔ سب سے زیادہ ادب ان پر ہی اثر انداز ہوا ہے۔

امریکہ آکر بھی سب سے پہلے پانچ سال نیویارک قیام رہا پھر کیلیفورنیا لاس اینجلز میں آٹھ سال رہے۔ اتنے عرصے میں تقریباً آدھا امریکہ گھوم پھر لئے۔ لاس اینجلز میں عبدالرحمان صدیقی صاحب نے میرے کئی افسانے اور غزلیں اپنے اخبار پاکستان لنک میں شائع کیں۔

ہمارے بچوں نے شکاگو کو اپنا ٹھکانا بنایا تو ہمیں بھی یہاں آنا پڑا۔ امریکہ آکر جب پاکستان اور رشتہ داردور رہ گئے تو خیال ہوا کہ اب دل کی بات سن لی جائے۔ اب میں نے اپنی سب ادھوری کہانیاں جمع کیں اور ان کو مکمل کر کے یہ خیال آیا کہ کیوں نہ ان کو کتابی شکل دیدی جائے۔ ہمارے خیر خواہ حسن چشتی صاحب نے میرے اس خیال کا خیر مقدم کیا حوصلہ افزائی کی اور مدد بھی۔ اس طرح یہ کتاب آپ کے سامنے موجود ہے میں اپنے ان سب مہربان دوستوں کی شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے ساتھ تعاون کیا۔ ان ناموں میں آصف الرحمٰن طارق اور قمر علی عباسی کے نام بھی شامل ہیں جنہوں نے صحیح رہنمائی، حوصلہ افزائی اور مدد کی۔ شکریہ

راقمہ صفیہ احمد

''کہاں سے کہاں تک''

میں ہاتھ میں اپنا استعفیٰ لئے تیزی سے پرنسپل کے کمرے کی طرف چلی جا رہی تھی۔راستے میں دردانہ کینٹین کی طرف جاتی ہوئی ملی اور مجھے دیکھتے ہی فوراً بول پڑی۔''کہاں بھاگی جا رہی ہو اور یہ تمہارے ہاتھ میں میں کیا ہے۔''

''کچھ نہیں میرا استعفیٰ ہے پرنسپل کو دینے جا رہی ہوں'' میں نے جواب دیا۔

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا جو اتنی اچھی جاب چھوڑ کر جا رہی ہو۔اس جاب کے لئے تو ٹیچرز دنیا بھر سے سفارشیں لاتی ہیں۔''

دُردانہ میری بہت اچھی دوست تھی اور اس کی یہ عادت بھی بہت پیاری تھی کہ وہ نصیحت کئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی ایسے موقعوں پر وہ بے تکان بولتی چلی جاتی، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اس کی نصیحت کا کسی پر کچھ اثر بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔

''میری بھی تو کچھ مجبوری ہے دُردانہ اور وہ تمہیں معلوم ہیں'' میں نے جواب دیا۔

''ہاں مجھے خوب معلوم ہے کہ تم اپنی بیٹی سے ملنے شکاگو جا رہی ہو۔اور تم اس

بے قرار تھی وہ شکاگو سے نیویارک پہنچی۔ اور ہم دونوں نے گلے لگ کر اتنے آنسو بہائے جیسے آٹھ سال کی جدائی کے صدمے کو آنسوؤں میں بہا دینا چاہتی ہوں۔

وقت گزرتا رہا۔ امریکہ کے شب و روز میں، میں ایسی کھوئی کہ اپنا وجود اپنی شناخت بھی کھو بیٹھی۔ اپنی معاشرت اپنا لباس اور سب سے بڑھ کر اپنی زبان بھی۔ غرض ہر وہ چیز جو میری پہچان تھی اور جس پر میں بجا طور پر فخر کر سکتی تھی۔ سب کچھ بھول گئی لیکن رفتہ رفتہ یہ احساس جاگنے لگا کہ ''اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا'' پھر حالات نے وہ رخ اختیار کر لیا کہ میرے لئے کوئی جاب حاصل کرنا ضروری ہو گیا۔ واپس جانے کا بھی مجھے خیال آیا اب گرین کارڈ کے چکر نے مجھے ایک ایسی دلدل میں پھنسا دیا تھا کہ اس سے نکلے بغیر واپس نہیں جا سکتی تھی اور اگر جاتی تو پھر دوبارہ امریکہ آنا محال تھا۔

ان حالات میں، میں اخباروں اور رسالوں میں کام کی تلاش کرنے لگی۔ ایک دن اخبار میں میری نظر Baby Sitter کی جگہ پر پڑی۔ سوچا کہ یہ کوئی مشکل کام بھی نہیں ہے اور گھر سے قریب بھی ہے اور بچہ بھی چھوٹا ہے زیادہ تر سوتا ہی رہے گا۔ اس دوران مجھے کچھ لکھنے پڑھنے کا وقت بھی مل جائے گا۔

یہی کچھ سوچتے ہوئے جب میں اشتہار کے پتے والے گھر پہنچی تو دیکھا کہ گیٹ کے سامنے مرسیڈیز کار کھڑی تھی۔ اس میں ایک بہت سانولے رنگ کا آدمی ایک بہت گورے سے بچے کو لئے بیٹھا ہے۔ یہ شخص برصغیر ہی کے کسی علاقے کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اشارے سے مجھے گھر کے اندر جانے کے لئے کہا۔ گھر والی ایک سفید فام امریکن عورت تھی اس نے بتایا کہ

''کار میں میرے ہزبینڈ کے ساتھ میرا بچہ ہے۔ اس بچے کی تمہیں دیکھ بھال کرنی ہوگی اس نے مجھے تمام کام سمجھاتے ہوئے کہا۔ تمہیں یہاں صرف پانچ گھنٹے

یہ کہہ کر وہ دونوں صوفے میں دھنس گئے اور TV دیکھنے لگے۔ زینت کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی آپ میرے پوتے کی آیا ہیں نا۔ اور میں سوچ رہی تھی کہ یا خدا میں کہاں سے کہاں آ گئی۔ بچے کے رونے کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں اس کے کمرے کی طرف بھاگی اس وقت میری آنکھوں میں آنسو تھے اور نظروں کے سامنے دُردانہ کا دھندلایا ہوا چہرہ۔

.....O.....

دوزخم کاری

آج امی کو مالی نے بتایا کہ علی بخش نے ایک تیرہ سال کی لڑکی سے شادی کر لی ہے۔

''اے ہئے امی اپنا ہاتھ ماتھے پہ مارتے ہوئے بولیں۔ کمبخت نے چار ہزار روپئے میں اپنی بیٹیاں بیچ دیں اور بیوی خرید لی۔''

ہمارے گھر میں علی بخش خانساماں غصہ کے بہت تیز تھے۔ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے تھے اور نہ کسی کا کہنا سنتے تھے۔ بس ایک دفعہ جوان کے منہ سے نکل گیا وہ اٹل ہوتا تھا ان کی بیوی جنت واقعی جنتی عورت تھی۔ وہ کس گنتی میں تھی، علی بخش کے سامنے اس کی ایک نہ چلتی تھی وہ اپنے میاں سے ڈرتی بھی بہت تھی۔ بلکہ ان سے تو ہم سب ہی ڈرتے تھے ایک دن علی بخش کام کرنے ذرا دیر سے آئے۔ امی نے بس اتنا کہا کہ

''علی بخش آج تو تم نے بہت دیر کر دی اب کھانا کب تیار ہوگا۔'' اتنا سننا تھا کہ، وہ تن پھن ہو کر چھرا ہاتھ میں لئے جس سے وہ گوشت کاٹ رہے تھے۔ امی کی

پوچھا کہ

''اس میں کیا خرابی ہے'' تو کہنے لگی کہ ''دیکھو اس کی آنکھیں خراب ہیں یہ دیکھ نہیں سکتا۔ تو یہ میری خوبصورت گڑیا کو کیسے دیکھے گا۔'' میں نے غور سے دیکھا تو واقعی گڈے کی آنکھیں کڑھائی میں رہ گئیں تھیں۔ بہرحال وہ شادی نہ ہوسکی اور بات آئی گئی ہوگئی اسی طرح ہنستے کھیلتے ایک سال گزر گیا۔

ایک دن جب میں اسکول سے واپس آئی تو خلافِ معمول علی بخش کی کسی لڑکی کو اپنے انتظار میں نہ پایا۔ امی سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آج زرینہ کی رخصتی ہورہی ہے۔ ''رخصتی کیا میں نے پوچھا'' امی نے بتایا کہ

''زرینہ کی منگنی تو کئی سال پہلے ہی ہوچکی تھی اب اس کے سسرال والوں کا مطالبہ شروع ہوگیا تھا کہ اسے رخصت کردو۔ اس کی ماں نے اس کی کم عمری کا سہارا لے کر انہیں ٹالنا چاہا۔ مگر وہ لوگ نہ مانے اور آج اسے لینے پہنچ ہی گئے مگر تم ان کے گھر نہ جانا وہ لوگ مصروف ہوں گے'' امی نے مزید کہا۔

میں یہ سن کر بھونچکا سی رہ گئی۔ کیا زرینہ مجھ سے ملے بغیر ہی چلی جائے گی؟ پھر میں کس سے باتیں کروں گی۔ کس کے ساتھ کھیلا کروں گی یہ سب خیالات میرے دماغ میں ایک ساتھ آئے اور میں زرینہ کے گھر کی طرف بھاگی مگر کچھ آدمیوں کو اس کے گھر سے نکلتا دیکھ کر دور ہی ٹھٹک کر رہ گئی۔ پہلے دو مرد باہر آئے اس کے بعد دو عورتیں زرینہ کو ساتھ لئے ہوئے نکلیں۔ وہ سرخ رنگ کا موٹا گوٹا لگا دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی اور گھونگٹ نکلا ہوا تھا۔ سرخ رنگ کے چپل پاؤں میں تھے میں اس کا منہ نہ دیکھ سکی وہ مجھ سے ملے بغیر کچھ کہے سنے بغیر ان عورتوں کے ساتھ ریلوے اسٹیشن کی طرف چلی گئی جو سامنے ہی تھا۔ سب سے آخر میں ایک جوان 24-25 سالہ لڑکا لاٹھی ٹیکتا ہوا باہر آیا اس کے ساتھ علی بخش بھی گھر سے باہر

زرینہ کو بیچ دیا تھا۔ اور فروخت کی ہوئی چیز واپس تھوڑی لی جاسکتی ہے'' میں رونے لگی تو امی نے مجھے گلے لگایا۔

ایک سال بعد ہی علی بخش کو حمیدہ کی شادی کی فکر لاحق ہوگئی ابھی پہلا زخم بھرنے نہ پایا تھا کہ دوسرا زخم لگا۔

ایک دن میں نے دیکھا کہ دو چار آدمی علی بخش کے گھر کے باہر پلنگوں پر بیٹھے ہیں۔ میں نے گھر میں آکر امی کو اطلاع دی۔ تو امی نے مجھے ڈانٹا کہ ''تمہیں ہر وقت کیوں فکر لگی رہتی ہے۔ ہوں گے کوئی رشتہ دار'' مگر میرا دل تو بلیوں اچھل رہا تھا اور ایک انجانا سا خوف میرے اوپر طاری تھا کیونکہ حمیدہ مجھے نظر نہیں آرہی تھی۔ میں اپنے کمرے کی کھڑکی سے اس کے گھر کے دروازے پر ٹکٹکی لگائے کھڑی رہی آخر میں نے دیکھا کہ وہ سب آدمی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور سب اسٹیشن کی طرف چلے اور سب سے پیچھے 30-32 سالہ ایک لمبے تڑنگے آدمی نے حمیدہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر چلنے لگا۔ حمیدہ اس کے ساتھ چلنے کو تیار نہ تھی وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر روتی ہوئی گھر کی طرف بھاگی۔ مگر اس قصائی نے دو ہی قدموں میں اسے جا لیا اور اس پر ایسا جھپٹا جیسے شکرہ کسی مرغی کے بچے کو اپنے پنجے میں دبا کر اڑ جائے۔ اس دیو ہیکل نے حمیدہ کو پکڑ کے اپنے کندھے پر بٹھا لیا۔ حمیدہ بیچاری نے رو رو کے دہائی دی۔ اس نے اپنی لال گوٹے لگی اوڑھنی غصہ میں سر سے اتار کے نیچے پھینک دی۔ پیر پٹخنے میں دونوں جوتے بھی پاؤں سے نکل کے گر پڑے مگر کوئی اس کی فریاد سننے نہیں آیا۔ میرے دل پہ چھریاں چلتی رہیں اور وہ قصائی بکری کے بچے کو لے کر چلتا بنا۔ حمیدہ کی ماں جنت اس کے پیچھے دو چار قدم بھاگی مگر وہیں ایک بڑے پتھر پر گر کر ڈھیر ہوگئی۔ اب اس میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ وہ اس صدمہ کو برداشت کرتی وہ پہلے زرینہ کو ہی یاد کر کر کے چپکے چپکے رویا کرتی تھی آخر اس سانحہ

بڑا مزا اُس ملاپ میں ہے

صبا کو آج کی میل میں ایک Greeting Card ملا ہے۔ جس پر ''سال نو مبارک'' لکھا ہے۔ اور آخر میں'' آپ کو ہمیشہ یاد رکھنے والی'' نہ بھیجنے والی کا نام ہے۔ نہ جس کو بھیجا گیا ہے اس کا نام، آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ صبا کے دل میں شک نے سر اٹھایا ہے۔ اس کارڈ کو بار بار دیکھ کر صبا کو کچھ یاد آ رہا ہے۔ کہ ایسی طرز تحریر کا کارڈ اس نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

کب اور کہاں؟ شاید ایک سال پہلے جب وہ اپنی شادی کے بعد شملے آئی تھی۔ تصویر کی طرح تمام واقعات ایک ایک کر کے اس کی نظروں کے سامنے سے گزرنے لگے۔ اور وہ کڑی سے کڑی ملانے لگی۔

دہلی کے اسٹیشن پر اس کے رشتہ داروں نے اسے رخصت کر کے شملہ کی ٹرین کے ایک ڈبے میں بٹھا دیا تھا وہ وہاں اکیلی تھی۔ اس کا میاں برابر والے ڈبے میں بیٹھا ہوا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگ اس کی نئی نویلی دلہن پر نگاہ ڈالیں۔ وہ ایک کونے میں بیٹھی کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی کہ ایک ہاتھ برابر والے ڈبے کی کھڑکی

واقعی سلیم کے بغیر وہ کیسے Hills پر آسکتی تھی اب تو صبا خود کو پہاڑوں پر پرواز کرتے ہوئے محسوس کر رہی تھی ،ہلکی اور سبک۔

دوسرے دن صبح لڑکیوں کی ملی جلی ہنسی کی آوازوں سے اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ چاروں طرف کھڑکیوں کے شیشوں سے لڑکیاں جھانک رہی ہیں۔ سلیم اس وقت تک دفتر جا چکا تھا اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔تو غول بیابانی کی طرح سب غپ سے گھر میں داخل ہوگئیں۔

''تو یہ ہیں ہمارے سلیم صاحب کی بیوی بھئی مان گئے ان کی پسند کو'' کسی لڑکی نے کہا۔ پھر ایک دوسری آواز آئی ''ہمیں تو برسوں سے ان کا انتظار تھا ہر سال سلیم صاحب چھٹی پر جاتے تو کہہ کر جاتے کہ شادی کرنے جا رہا ہوں مگر چھڑے کہ چھڑے لوٹ آتے تھے۔ ہم نے تو یہی سوچا تھا کہ اس دفعہ بھی وہ وہی حرکت کریں گے'' پھر ایک پاس کھڑی ہوئی تیسری بولی۔

''شکر کرو اس کالی مرچ سے چھٹکارا مل گیا ورنہ وہ تو اس بری طرح گلے پڑی تھی کہ کبھی مال روڈ پر سلیم صاحب کو گھیر لیتی اور کبھی کافی ہاؤس میں آئس کریم کھانے کے لئے خود بھی جا بیٹھتی۔''

''اور وہ غرارے والی جو اپنی تصویر سلیم صاحب کی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ گئی تھی کس طرح شان سے آکر کچن میں بیٹھ جاتی اور رمضانی کو چائے لانے کا حکم دیا کرتی'' یہ کہتے ہوئے اس لڑکی نے غرارہ پکڑ کر چلنے کی نقل اتاری تو سب لڑکیاں ہنستے ہنستے بے حال ہوگئیں۔ایک لڑکی جو ابھی تک خاموش تھی بولی

''ہم سب بظاہر دور کھڑی آبشار کی طرف دیکھتیں تھیں۔مگر ہماری نظریں سلیم صاحب کے گھر کے اندر ہوتی تھیں۔''

وہ سب لڑکیاں باتیں کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی

بھابی کو اپنے ساتھ لاؤ گی۔

کتنی اچھی لڑکیاں ہیں یہ سادہ دل اور صاف گو یہاں نئی جگہ زندگی کتنی آسان ہوگئی۔ خوب دل لگے گا صبا سوچنے لگی۔ پھر اس کے بعد اس نے بے ترتیب چیزوں کو ٹھیک سے رکھنا شروع کیا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے گزری آئینہ میں دیکھا اسے محسوس ہوا کہ اس کا چہرہ ایک ہی دن میں تازہ ہوا کے اثر سے کھل کر گلابی ہو رہا ہے اس نے اپنے بال درست کئے چہرے پر خواہ مخواہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ صبا نے سوچا کہ سلیم کے آنے سے پہلے ڈریسنگ ٹیبل کی درازیں صاف کرلی جائیں اور اس میں کام کی چیزیں رکھ دی جائیں۔ اس کی نظریں کچھ بیکار سے کاغذات اور لفافوں پر پڑیں اس نے ایک کارڈ اٹھایا جو اسی طرز تحریر سے ملتا تھا جو آج موصول ہونے والے کارڈ کی تحریر ہے۔ یہ کارڈ اس نے اس وقت ایک سرسری نظر ڈال کر دراز میں رکھ دیا تھا اور پھر اس کارڈ کو بالکل بھول گئی تھی مگر آج کے کارڈ نے پرانے کارڈ کی یاد تازہ کردی تھی۔ صبا نے دھڑکتے دل اور لرزتے ہاتھوں سے وہ دراز کھولی اور تھوڑی دیر بعد وہ ایک سال پہلے کا دیکھا ہوا کارڈ نکال لیا۔ جس پر لکھا تھا

''سال نو مبارک آپ نے ہار دے کر جو احسان میرے اوپر کیا ہے میں اسے تمام عمر نہیں بھول سکتی۔ اگر ممکن ہو تو اس پتے پر آکر ملیں۔ آپ کو ہمیشہ یاد رکھنے والی''

صبا نے کئی بار اس کارڈ کو پڑھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ پھر غم اور غصہ کی آگ نے اسے گھیر لیا اس نے یہ کارڈ میز پر پھینکا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر بیٹھ گئی۔ وہ سوچنے لگی کہ اچھا تو یہ ہیں سلیم صاحب ظاہر کچھ اور باطن کچھ۔ اپنے اوپر ملمع چڑھا رکھا ہے مگر قلعی تو کھل ہی جاتی ہے ایک نہ ایک دن تو کیا یہ سب دھوکا تھا۔ لوگ سچ ہی کہتے ہیں کہ مرد ذات ہوتی ہی بے وفا ہے مگر کیا سلیم بھی اوروں کی طرح جھوٹا اور دغاباز ہے میں نے ٹوٹ کر اس سے محبت کی مگر کیا اب بھی میں

''صبا میں نے آج تک تم سے کوئی جھوٹ نہیں بولا اور نہ کوئی بات چھپائی ہے۔ ہاں اس واقعہ کو میں بھول ہی گیا تھا اب تمہیں سناتا ہوں، مگر پہلے اطمینان سے ایک جگہ بیٹھ جاؤ۔'' صبا جز بز ہوتی رہی سلیم نے اسے اٹھا کر پیار سے تکیوں کے سہارے بٹھایا اور کہنے لگا۔

''شادی سے کچھ ماہ پیشتر میں اپنے ایک دوست کے ساتھ مال روڈ پر گھوم رہا تھا بلکہ تمہارے ہی لئے کچھ کپڑے خریدنا تھے اور ورما ٹیلرز کو سلنے کے لئے دینا تھے۔ کرسمس کا زمانہ تھا بڑی گہما گہمی تھی کچھ لوگ دکانوں میں داخل ہو رہے تھے اور کچھ لوگ باہر نکل رہے تھے۔ اسی وقت میرے جوتے سے کوئی چیز ٹکرائی میں نے دیکھا کہ ایک چمکتا ہوا سونے کا ہار زمین پر پڑا ہوا ہے میں نے اسے اٹھا تو لیا مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا کیا کروں۔ میرا دوست کہنے لگا سوچتے کیا ہو یہ بہت قیمتی ہار ہے تمام ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ چلو اسے بیچ کر رقم آدھی آدھی تقسیم کر لیں'' لیکن یہ کسی کی امانت ہے اس پر ہمارا کوئی حق نہیں یہ ہار جس کی ملکیت ہے اسی کو پہنچنا چاہئے۔'' میں نے کہا۔

آخر تھوڑی بحث کے بعد میرا دوست تو چلا گیا۔ میں وہ ہار لے کر قریبی پولیس اسٹیشن گیا اور تمام واقعہ بیان کیا پہلے تو پولیس والوں نے مجھے بڑے غور سے دیکھا کہ کہیں میرا دماغ تو خراب نہیں، جو ہاتھ آئی ہوئی دولت کو واپس کر رہا ہے۔ بہرحال انہوں نے میرا نام دفتر کا پتہ وغیرہ نوٹ کر کے وہ ہار اپنے پاس رکھ لیا میں نے ذرا پولیس والوں کو دھمکانے کے لئے کہا کہ تمہارا Boss میرا دوست ہے تاکہ وہ لوگ ہار کو غائب نہ کر دیں۔

دوسرے دن جب میں دفتر پہنچا تو ساتھیوں نے بتایا کہ ایک لڑکی آئی تھی، تمہیں پوچھ رہی تھی کافی دیر بیٹھی رہی پھر یہ کہہ کر چلی گئی کہ دوسرے دن آئے

تھی ان کا گھر واقعی زیادہ دور نہ تھا۔ وہاں پہنچے تو دیکھا لان پر ایک جوڑا بیٹھا ہوا چائے پی رہا ہے نام کی تختی گیٹ پر لگی ہوئی تھی صبا نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

''لو مینا، میں تمہارے محسن کو پکڑ لائی ہوں۔ یہ تو خود کبھی تمہارے گھر نہیں آتے میرا شکریہ ادا کرو۔''

مینا اپنا کارڈ صبا کے ہاتھ میں دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ یہ دونوں کون ہیں خوشی سے اچھلتی ہوئی بولی۔

''ہاں ضرور، لیکن شکریہ ادا کرنے کے لئے تو ایک عمر پڑی ہے مگر میں تمہیں ایک اور بات بتانا چاہتی ہوں۔ تم جو سوٹ اس وقت پہنے ہوئے ہو۔ اس کا کپڑا تمہارے میاں ورما ٹیلرز کو دے رہے تھے تو میں نے اس وقت سوچا تھا کاش میں اس لڑکی کو بھی دیکھ سکتی جس کے لئے یہ خوبصورت سوٹ سلوایا جا رہا ہے۔ میری آرزو پوری ہوئی مگر دیکھو یہ آرزو پوری کرنے کے لئے اللہ نے میرا ہار گلے سے وہاں گرایا۔ جو تمہارے میاں کو ملا وہ ہار میرے میاں کا دیا ہوا شادی کا تحفہ تھا اگر وہ سلیم مجھے نہ لوٹاتے تو میں اپنے میاں کو کیا منہ دکھاتی تم نے آکر سارا معمہ حل کر دیا۔ اب کارڈ بھیجنے کا سلسلہ ختم اب بذات خود میں آیا کروں گی۔''

مینا کی یہ بات سن کر صبا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس وقت خوبصورت کارنیشن اور ڈیلیا کے پھولوں کے درمیان چار دل بھی خوشی سے جھوم رہے تھے۔

.....O.....

کیا وہ تم تھیں؟

اسلم آج دفتر سے بہت تھکا ہوا گھر پہنچا۔ گھر میں داخل ہوا تو کھانے کی لذیز خوشبو نے اس کی بھوک کو اور ہوا دی۔ عینی نے چائے کے لئے پوچھا مگر وہ جواب دیئے بغیر اپنے کمرے میں جا کر کپڑے بدلنے لگا۔ کمرے کی مانوس خوشبو نے اس کے اعصاب پر خوشگوار اثر ڈالا۔ اس نے اپنے گداز بستر پر نظر ڈالی تو بے اختیار اس کا دل لیٹنے کو چاہا۔ جیسے ہی وہ لیٹا خوابوں کی حسین دنیا نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

جس وقت اسلم کی آنکھ کھلی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا رات کے نو بجے تھے چائے کی پیالی سائڈ ٹیبل پر جوں کی توں پڑی تھی۔ اس نے کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھا مطلع ابر آلود تھا۔ اندھیرا چھا گیا تھا مگر سڑک کی دوسری طرف فٹ پاتھ پر اسے ایک سایہ چلتا ہوا نظر آیا۔ جب وہ سایہ قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک نسوانی پیکر کھڑکی کے قریب آنے سے پہلے ہی پھر واپس مڑ گیا۔ اور دور ہوتا گیا اسلم کھڑکی کے پاس والی کرسی پر بیٹھ گیا اس تجسّس میں کہ وہ واپس آتا ہے یا

طرف سے کیوں اتنی لاپرواہ ہے بس ہر وقت گھر کے کام کاج میں لگی رہتی ہے۔ گھر تو واقعی وہ آئینے کی طرح چمکا کر رکھتی ہے یہ تو ٹھیک ہے مگر گھر تو خوب سجا ہوا ہو اور گھر والی بس یونہی سی تو پھر کیا فائدہ میں تو میاں ایسا ہوں کہ بیوی کو خوب سجا بنا دیکھنا چاہتا ہوں۔ جبکہ دوسرے شوہر تو پرواہ بھی نہیں کرتے چاہے بیوی کسی حال میں بھی رہے۔ عینی کو تو شاہدہ ہی سے سبق حاصل کرنا چاہئے پھر دیکھو، وہ کیسی گردن اونچی کر کے آسمان کی طرف دیکھتی ہوئی چل رہی ہے اور گردن کو اوپر نیچے خم بھی دیتی ہے گردن بھی ایسی جسے کہا جائے ''صراحی دار گردن''۔

ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ امی جب شادی سے پہلے عینی کو دیکھنے گئیں تو گھر آ کر کہنے لگیں کہ بھئی میں نے چہرہ تو دیکھا نہیں وہ تو پیٹھ پھیرے کھڑی تھی۔ میں نے تو اس کی لانبی صراحی دار گردن ہی دیکھی۔ امی کی اس بات پر سب بہت ہنسے تھے۔ اور اب تو عینی سے اپنی گردن میں Chain بھی پہنی نہیں جاتی۔ ہمیشہ مجھ سے کہتی ہے کہ ذرا یہ میری Chain کا ہک تو لگا دو۔ اور غضب خدا کا کبھی کبھی تو وہ سینڈل پہن کر پاؤں میرے سامنے کرسی پر رکھ کر کہتی ہے۔ پلیز اسلم میرے سینڈل کے Buckle تو لگا نا ذرا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے اپنے ہاتھ پیروں کو ہلاؤ ورزش کرو تو کیا مجال کہ ہاتھ پیر کام نہ دیں اب میں بھی دیکھتا ہوں۔ کیسے مجھ سے کام کرواتی ہے میں بھی آئندہ ٹکا سا جواب دیا کروں گا۔

بہت دیر ہوگئی شاہدہ نظر نہیں آئی۔ اسلم نے سوچا شاید ٹہلنا بند کر دیا اور اپنے گھر چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد کمرے کی لائٹ جلی اور عینی کی آواز سنائی دی۔

''اب کب تک سوتے رہو گے ساڑھے نو بج رہے ہیں۔''

''میں تو بہت دیر سے جاگ رہا ہوں۔ اس انتظار میں ہوں کہ تم مجھے کھانے

زودِ پشیماں کا پشیماں ہونا

عرفان صاحب جب جرمنی سے سائنس میں پی ایچ ڈی کر کے واپس آئے تو انہوں نے آتے ہی اپنی والدہ سے کہہ دیا تھا کہ میں کسی بڑی عمر کی پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کروں گا جو سنجیدہ مزاج ہو اور کم ازکم M.A ہو جو مجھے سمجھ سکے۔ خوبصورتی کی میں پرواہ نہیں کرتا ماں تو بیٹے کے آنے سے پہلے ہی بہت سے گھرانے دیکھ چکی تھی اور انہیں معلوم تھا کہ کس گھر میں کس قسم کی لڑکیاں دستیاب ہیں کس گھرانے میں پڑھائی کا چرچا ہے۔ انہوں نے خوب سوچ سمجھ کر اپنے بیٹے کو بتایا کہ پچھلے سال ساجدہ نے انگلش میں ماسٹر کیا ہے اور آجکل کالج میں پڑھا رہی ہے۔ گھرانہ بھی اچھا ہے اور لڑکی بھی قبول صورت ہے۔ عرفان نے کہا کہ صحیح ہے وہیں چل کر بات کر لیتے ہیں ابھی جا کر بیٹھے ہی تھے۔ والدین میں بات چیت ہو رہی تھی کہ ساجدہ کی چھوٹی بہن سیڑھیوں سے اچھلتی کودتی اتری اور سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔ ماں ذرا گھبرا گئیں اور جلدی سے کہا کہ

یہ ہماری چھوٹی بیٹی اسماء ہے اور اسماء کو وہاں سے ہٹانے کی غرض سے کہا کہ

''ہر شام آپ دونوں کہاں جاتے ہیں۔''

آمنہ نے کہا کہ

''ہم دونوں شام کو بیڈمنٹن کھیلنے جاتے ہیں۔اگر تم اور عرفان صاحب بھی چلیں تو اچھا رہے گا۔ہم جہاں جاتے ہیں ان کے گھر کا بیڈمنٹن کورٹ بہت اچھا ہے۔''

اسماء نے دوسرے دن جانے کا وعدہ کیا تو خاور اور آمنہ وقت مقررہ پر ان کے گھر پہنچے۔اسماء تو بالکل تیار تھی مگر عرفان صاحب نے کہا کہ

'' مجھے ابھی عصر کی نماز پڑھنی ہے۔اس کے بعد تھوڑی دیر تلاوت کروں گا کیونکہ صبح کو دفتر جانے کی جلدی ہوتی ہے تو قرآن پڑھنے کا وقت نہیں ملتا۔اس کے بعد مغرب کا وقت ہوجائے گا۔آپ لوگ جایئے۔میں پھر کسی دن آپ کے ساتھ چلوں گا۔اسماء تم جانا چاہو تو چلی جاؤ۔''

اسماء کو اور کیا چاہئے تھا ،اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔معاملہ ہموار اور صاف ہوگیا اسماء روز خاور اور آمنہ کے ساتھ بیڈمنٹن کھیلنے جانے لگی۔وہاں موجود جتنے لوگ اسماء کو دیکھتے دل ہی دل میں اس کے سراپے کی تعریف کئے بغیر نہ رہتے۔ اس کے لمبے لمبے گورے ہاتھ پھرتی سے ادھر اُدھر شٹیل کاک کی طرف بھاگتا ہوا نازک بدن لوگوں کے دلوں پر اس کا کیا اثر ہوتا تھا خدا جانے۔مگر خاور تو دوسرے دن ہی سے اس کا گرویدہ ہوگیا جب تک وہ کورٹ میں نہ آجاتی وہ اپنا ریکٹ نہ اٹھاتا۔

ایک دن تو حد ہوگئی جب آمنہ دوپہر کے سب کام ختم کر کے تھوڑی دیر نیند لے کر اٹھی تو اس نے خاور کو گھر میں نہیں دیکھا۔وہ باہر گیلری میں نکلی نیچے دیکھا تو وہ ایک دم Shocked ہوگئی خاور اور اسماء دونوں ہاتھوں میں ریکٹ لئے ایک

ہے کہ کس کا انتظار ہے۔ باقی لوگ بھی اب جانے کے لئے پر تول رہے ہیں۔ آمنہ جھنجھلا جاتی ہے کہ آخر انتظار کب تک خدا خدا کر کے وہ شاہکار آ ہی گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ ایک نازک اندام خاتون ہلکی کاسنی لیس کے کپڑوں میں ملبوس عجیب اندازِ دلبرانہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئیں۔ کاسنی کپڑوں پر وہ چاندی کے لمبے آویزے گلے میں نکلیس اور سفید چوڑیاں پہنے چودھویں کا چاند لگ رہی تھیں۔ ایک مرتبہ تو سب ہی آنے والی خاتون کو دیکھ کر دیکھتے رہ گئے۔ خاور نے نہایت پُر لطف آواز میں ان کا خیر مقدم کیا اور سب کو میز پر آنے کی دعوت دی۔ سب کھانے میں مصروف ہو گئے آمنہ نے دیکھا کہ خاور کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا ہے۔ عرفان بھی جہاندیدہ تجربے کار آدمی تھے تحمل سے دونوں کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ دنیا میں بدنامی ہو۔ ایک دن ساجدہ سے انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے دریافت کیا

''اس مسئلے کا تمہارے خیال میں کوئی حل ہے۔'' ساجدہ نے جواب دیا کہ

''تم اسماء پر سختی کرو۔ شاید وہ سنبھل جائے۔''

عرفان نے جواب میں کہا'' میں عورت ذات پر سختی یا تشدد کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ اور سختی کرنے سے کوئی فائدہ بھی نہیں۔ کسی چیز کو دبانے سے وہ زیادہ ہی ابھرتی ہے۔ دراصل غلطی میری ہی تھی میں تم سے شادی کرنے گیا تھا مگر اس وقت نہ معلوم کیوں میں غلط فیصلہ کر بیٹھا۔ مگر ابھی بھی وقت ہے میں اس کا تدارک کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اس طرح کہ میں تم سے نکاح کرلوں اور اسماء کو آزاد کردوں تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے شوہر کا انتخاب کر سکے۔ اس نے کبھی مجھے اپنا شوہر نہیں سمجھا وہ جلد از جلد یہاں سے چلی جائے تاکہ دو گھر بگڑنے سے بچ جائیں۔ خاور کی بیوی آمنہ بہت اچھی ہے میں نہیں چاہتا کہ اس کو اسماء کی موجودگی

جادو کی ہنڈیا

ایک دن زارا جب اپنی بڑی بھابی کے گھر پہنچی تو باہر سے ہی معلوم ہو گیا کہ اندر دیورانی اور جیٹھانی میں جنگ جاری ہے۔ زارا اندر گئی تو خوب طعنے تشنیع چل رہے تھے زارا نے جا کر بیچ بچاؤ کروایا مگر غصہ میں بھری ہوئی چھوٹی بھابی نے یہ کہہ کر دم لیا

''کہ اگر میں نے بھی تمہیں ناک چنے نہ چبوائے تو میرا نام شکیلہ نہیں۔ بڑی بھابی بھی کیا کسی سے کم تھیں۔ بولیں

''ارے تم جیسے بہت گلیوں میں پھرتے دیکھے ہیں ہم نے تمہارے تو فرشتے بھی تک نہیں پہنچ سکتے۔''

''شیطان تو پہنچ سکتے ہیں'' یہ کہہ کر شکیلہ بھابی اپنا پرس اٹھا اپنی گاڑی میں بیٹھ ہوا ہو گئیں۔

بڑی بھابی تھیں بھی جاہل مطلق نام تو ان کا عالیہ تھا مگر ان کے میاں انہیں عالی کہتے تھے۔ اس لئے وہ عالی بھابی مشہور تھیں۔ مشہور اپنی خوبصورتی کے لئے بھی اور

ان سے کسی اچھی بات کی کیا توقع کی جاسکتی تھی میاں اگر کسی لڑکی سے بات کرلیں تو انہیں شاق گزرتا۔ کسی کے گھر کے سلیقے کی تعریف کردیں تو قیامت اب تو ان پہ یہ مصرع صادق آتا تھا کہ ''یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری۔''

دوسری طرف شکیلہ بھابی پڑھی لکھی، خوش مزاج، معاملہ فہم عورت تھی۔ محفل میں ہنسنے ہنسانے والی اس لئے خاندان والے اور دوست ان کے گھر زیادہ جاتے قصہ یوں شروع ہوا کہ ایک دن شکیلہ کراچی سے اسلام آباد آرہی تھیں۔ اور ان کے میاں میٹنگ میں تھے اس لئے انہوں نے اپنے بڑے بھائی حسین سے کہہ دیا کہ شکیلہ کو ایئر پورٹ سے اپنے گھر لے جائیں۔ میری کار وہیں کھڑی ہے وہ اس میں خود اپنے گھر آجائیں گی۔ عالیہ نے جو اپنے میاں اور شکیلہ کو ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو بس قیامت ٹوٹ پڑی۔

''ارے اس کو کہاں سے لے آئے، کہاں لینے گئے تھے، گلچھڑے اڑاتے پھر رہے ہیں دونوں ، دیور کو ہمارے خبر بھی نہیں۔ جبھی میری بائیں آنکھ پھڑک رہی تھی۔''

میاں لاکھ کہتے رہے کہ جمیل نے ہی کہا تھا کہ شکیلہ کو ایئر پورٹ سے لے آنا۔ وہ تو یہ کہہ کر اپنے کام پر چلے گئے مگر عالیہ کہتی رہیں

''کہ اب میں دیکھ لوں گی یہاں تیرا جینا حرام نہ کردوں تو میرا نام نہیں بہت دن میں آنکھیں بند کئے تماشا دیکھتی رہی۔ اب اگر میرے گھر میں قدم رکھا تو ٹانگیں توڑ دوں گی۔''

عالیہ کی بکواس کا بڑا زبردست Reaction ہوا۔ شکیلہ نے جاکر اپنے میاں سے کہا کہ ''میں بھی ایک ایک بات کا بدلہ لوں گی۔''

کئی دن گزر گئے زارا کالج سے واپسی پر عالیہ کے گھر کے سامنے سے گزرتی

عالیہ بولیں کہ'' زارا یہ معمولی بات نہیں یہ بنگال کا کالا جادو ہے وہ لوگ اسی طرح جادو کی ہانڈی پھینکتے ہیں۔ اور تمام گھر کو جادو کے زور سے جلا کر خاک کر دیتے ہیں اب بتاؤ میں کیا کروں تمہارے بھائی بھی دورے پر گئے ہوئے ہیں دیور سے بھی لڑائی ہے۔'' ان کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

زارا نے پھر کہا کہ'' بھابی یہ کوئی جادو وادو نہیں، کوئی شخص آپ کو ہراساں کرنا چاہتا ہے بس آپ اتنا کریں کہ ایک گارڈ گیٹ پر رکھ دیں، جب کوئی ہانڈی پھینکنے آئے گا تو وہ دیکھ لے گا اور گارڈ کے ڈر سے کوئی آئے گا بھی نہیں۔''

''ارے نہیں میں نے رات خواب دیکھا زارا کہ تمہارے بھائی کے بیڈ کے چاروں طرف ایک دبلی پتلی سانولی سی لڑکی چکر لے رہی ہے۔ شکل اس کی شکیلہ سے ملتی جلتی ہے وہ کہہ رہی ہے کہ یہ آدمی میرا ہے کوئی ہمیں مارنا چاہتا ہے۔''

'' کچھ ایسا نہیں ہے میں جا کر ایک گارڈ کا انتظام کر دیتی ہوں'' زارا تو چلی گئی اب عالیہ کا یہ حال نہ کھانا نہ پینا ہر طرف کے دروازے بند کر کے بیٹھ جاتیں جہاں ذرا کھڑکا ہوتا ان کا خون خشک ہو جاتا۔

شام کو زارا بھائی جمیل کے گھر گئی اور ان کو عالیہ بھابی کے گھر کا تمام قصہ بیان کیا شکیلہ اور جمیل خاموش بیٹھے سنتے رہے۔ آخر میں زارا نے کہا کہ ایک گارڈ کا انتظام کر دیجئے آپ اس وقت وہ شخص پکڑا جا سکتا ہے۔

جمیل یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے'' ابھی ایک گارڈ وہاں بھیج دیتا ہوں۔''

''ہاں بھائی جان آپ یہ کام ضرور کر دیں'' زارا نے کہا۔

گارڈ کے پہرہ دینے کے باوجود وہ سب کچھ ہوتا رہا۔ کبھی گوشت پڑا نظر آتا، کہیں کوئی مرا ہوا جانور ایک دن تو حد ہو گئی صبح کو اٹھ کر جب حسین باہر آئے تو دیکھا کہ حوض کا پانی خون میں بدلا ہوا ہے۔ حسین اور عالیہ کو کاٹو تو جسم میں خون

کو بلّیات نے کیل دیا ہے گھر کے چاروں کونوں کو کھودو مالی نے جب کونوں کو کھودا تو ہر کونے سے پانچ پانچ کیلیں ٹھکی ہوئی برآمد ہوئیں۔

مولوی نے مزید کہا کہ اب بلاؤں کا زور کم ہو جائے گا۔ بلاؤں کا زور تو کم ہوا مگر مولوی کا زور ابھی تک موجود تھا ایک دن وہ حسین سے کہنے لگے کہ خبیث آسیب سے تو تمہارا گھر صاف ہو گیا مگر ابھی تک ایک سیاہ سایہ ہے جو منڈلا رہا ہے میں نے ایک زائچہ بنایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری بیوی نے کسی معصوم کا دل دکھایا ہے اور اس کے ساتھ بدسلوکی اور بدگوئی سے کام لیا ہے جب تک تمہاری بیوی اس سے معافی نہ مانگیں اور کہا سنا معاف نہ کروائیں یہ سایہ تمہارے گھر پر قائم رہے گا۔

حسین نے کہا کہ وہ کون ہوسکتا ہے؟ عالیہ تو مولوی کی مرید ہو ہی چکی تھی ان کی ہر بات ماننے کو تیار تھی بس کسی طرح ان کی ہنستی کھیلتی زندگی انہیں واپس مل جائے۔ دل میں تو چور تھا ہی، حسین سے کہنے لگیں کہ

''بس آپ میرے ساتھ ابھی شکیل کے گھر چلئے میں جانتی ہوں مجھے کیا کرنا ہے''

وہاں جا کے عالیہ نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کے شکیلہ سے معافی مانگی اور اسے گلے لگایا اور اسی وقت شکیلہ کو اپنے ساتھ گھر چلنے کو کہا۔ شکیلہ منع کرتی رہی مگر وہ کب ماننے والی تھیں کہنے لگیں تم میرا مرا منہ دیکھو اگر ابھی میرے ساتھ نہ چلو۔ آخر شکیلہ ان کے ساتھ گئیں اس طرح جب تک شکیلہ نے ان سے ایک ایک بات کا بدلہ نہ لیا وہ چین سے نہیں بیٹھی۔ مولوی اور گارڈ خوب انعام اکرام کے ساتھ چلتے بنے۔

ایک خوبصورت اور جاہل عورت کا انجام آخر کار اپنی انتہا کو پہنچا۔ مگر ابھی قصہ کہاں ختم ہوا حسین اور عالی نے آسیب دفع ہونے کی خوشی میں ایک جشن منانے کا

آخری اسٹیشن

ٹرین تیزی سے اپنی منزل طے کر رہی تھی۔

علیشا ٹرین کے فرسٹ کلاس کوپے میں بیٹھی اپنے بچے کو چمچ سے آم کھلا رہی تھی۔ کہ ایک شخص نے دروازہ کھولا وہ ڈر سی گئی اور آواز کو جاندار بنا کر پوچھا ''کون ہو تم؟''

وہ اندر آیا اور بولا ''ٹکٹ چیکر ٹکٹ دکھاؤ'' اس شخص نے جواب دیا۔

''کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ یہ کوپے میرے لئے ریزرو ہے اور ڈبے کے باہر میرے نام کا کارڈ لگا ہوا ہے'' علیشا نے غصہ سے کہا۔

''وہی دیکھ کر تو آ رہا ہوں تمہیں دیکھنے کے لئے تمام عمر سرگرداں پھرا ہوں۔ ذرا مجھے غور سے دیکھو تو پہچان لوگی۔''

علیشا نے اس آدمی کو سر سے پاؤں تک دیکھا تو ایک دم ٹھٹک گئی اور بولی'' کیا تم شکیل ہو؟''

''اب کہاں شکیل ہوں پہلے کبھی تھا'' شکیل نے کہا۔

علیشا خاموش بیٹھی سن رہی تھی ،شکیل جذبات میں بولتا رہا۔''علیشا کیا تمہیں وہ دن یاد نہیں جب ماسٹر صاحب سے پڑھنے کے بعد چاندنی راتوں میں ہم محلے کے لڑکے اور لڑکیاں مل کر آنکھ مچولی کھیلا کرتے تھے تمہارے والد بڑے آزاد خیال آدمی تھے وہ خود بھی کھیلوں میں شریک ہوتے تھے۔''

''ہاں مجھے یاد ہے''علیشا نے کہا اور نظریں جھکالیں۔

ٹرین رات کے سناٹے میں فراٹے بھرتی جارہی تھی ، بچہ ماں کی گود میں سو چکا تھا۔شکیل سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گیا اور کہا''علیشا تم بتاؤ تمہیں کیا یاد ہے۔''علیشا نے کہنا شروع کیا کہ

''ایک دن تم چور بنے تھے ہم سب کہیں نہ کہیں چھپ گئے تھے تمہاری نظریں میرے تعاقب میں تھیں آخر تم نے دیوار کے پیچھے سے آکر جہاں میں چھپی تھی اپنے دونوں ہاتھ میری کمر میں ڈال کر کہا تھا کہ چور پکڑا گیا۔'' یہ کہہ کر علیشا خاموش ہوگئی اور پھر شکیل نے کہنا شروع کیا۔

''جب میں نے تمہیں پکڑا تو اسی وقت تم نے میرے منہ پر ایک زور دار تھپڑ رسید کیا تھا میں کہتا رہا کہ میں نے چور پکڑا ہے مگر تم غصے میں آپے سے باہر ہوگئیں اور کہنے لگیں کہ تم نے مجھے ہاتھ کیوں لگایا۔تمہیں مجھے پکڑنے کی ہمت کیسے ہوئی بس آئندہ کبھی میرے گھر نہ آنا اور روتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں میں کھڑا دیکھتا رہا ،اس دن کے بعد سے آج تمہیں دیکھا ہے بس یہی مختصر میری محبت کا فسانہ ہے ،اس دن سے اس تھپڑ نے مجھے سونے نہ دیا تمہارے سبک اور نازک ہاتھ کا لمس میرے دل میں تیر کی طرح پیوست ہوگیا۔ جواب تک اسی طرح ہے'' شکیل نے لمبا سانس لیا اور خاموش ہوگیا۔

''تم نے شادی کی شکیل''علیشا نے پوچھا۔

رنگا سیار

کہتے ہیں کہ جب گیدڑ کی کم بختی آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے مگر یہاں حساب یوں ہوا کہ کچھ گیدڑوں کی خوش بختی انہیں شہر کی طرف لے گئی۔ گاؤں میں انہیں کوئی دو کوڑی کو نہیں پوچھتا تھا یہاں وہ کرسیوں پر بیٹھ کر اپنی اپنی بولیاں بولنے لگے، خدا دے اور بندہ لے۔ لوگوں نے ہاتھ بھر بھر کے لیا۔ گنگا بہہ رہی تھی اس میں سبھی نے ہاتھ دھوئے اور جب پیسہ ہوگیا تو فرعون بے سامان ہوگئے، کسی نے اپنی بیوی کو سر سے پاؤں تک سونے میں لاد دیا کسی نے گاؤں واپس جا کر ایک عالی شان گھر بنانے کے لئے روپیہ جوڑنا شروع کیا اور کوئی ہمیشہ کے لئے شہر ہی میں رہنے بسنے کی سوچنے لگا۔

انہیں میں سے ایک صاحب نے شہر پہنچتے ہی ایک شادی اور رچائی، بیوی کو وہ گاؤں چھوڑ آئے تھے اور شہر میں کسی سے جان نہ پہچان کوئی کچھ کہنے سننے والا نہ تھا خوب مزے سے گزرنے لگی بیچاری بڑی بیوی نے کئی مرتبہ لکھا کہ اب ہمیں بھی اپنے پاس بلا لو، دوسروں کے بیوی بچے بھی وہاں پہنچ چکے ہیں مگر انہیں نئی بیوی

کی فہرست لکھوائی اور کہا کہ ذرا میری بیوی کا حال چال بھی دیکھ آنا۔ یہ دوست جب وہاں پہنچا تو محبت کی ماری بیوی نے میاں کی ایک ایک بات دریافت کی۔ کہاں رہتے ہیں کہاں کھاتے ہیں انہیں تو باہر کا کھانا پسند نہیں آتا صرف میرے ہی ہاتھ کا کھانا انہیں اچھا لگتا ہے۔ دوست بھی خوش طبع واقع ہوا تھا کہنے لگا

''انہوں نے کچھ سامان منگوایا ہے خاص طور سے گوند مکھانے اور کچھ بچے کے کپڑے وغیرہ۔''

''گوند مکھانے کس لئے۔''

''وہ ان کے کسی دوست کے ہاں بچہ ہونے والا ہے۔ شاید'' دوست نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ بات ہوگی۔ یہی تو میں سوچ رہی تھی کہ گوند مکھانوں کی کیا ضرورت پڑ گئی انہیں وہ بیچاری اللہ کی گائے ایک ایک بات سچ مان کر خاموش ہوگئی۔''

نئی بیوی کے آنے کے بعد پرانی بیوی کا وہی حشر ہوتا ہے جو نئی جوتی آنے کے بعد پرانی جوتی کا۔ نئی جوتی کی موجودگی میں پرانی جوتی استعمال کرنے کو کس کا دل چاہتا ہے؟ اگر مجبوراً اسے وقت بے وقت کام آنے کے خیال سے کہیں ڈال بھی رکھا جائے تو ہر وقت اس کی مکروہ صورت نظروں میں چبھتی رہتی ہے۔ ٹھوکریں کھایا ہوا نچلا درمیانی حصہ بدنما طریقے سے اطراف میں پھیلا ہوا اور ایڑیاں گھسی ہوئی بھرا ایک دن انہیں پھینک کر چھٹکارا حاصل کرلیا جاتا ہے۔ مگر بیوی اور جوتی میں بہرحال فرق ہوتا ہے بیوی کو جوتی کی طرح پھینکا تو نہیں جاسکتا وہ تو سانپ کے منہ میں چھچھوندر بن جاتی ہے۔

بہت دن بعد پہلی بیوی نے ذرا شور وغل مچایا اور رشتہ داروں کا بھی کچھ دباؤ پڑا تو میاں صاحب کو دوسرے مکان کا بندوبست کرنا ہی پڑا۔ اور بیوی اللہ کی گائے

یک بولی

''مصروفیت کیوں نہ ہو، ماشاء اللہ دو، دو گھروں کا بوجھ اٹھانا آسان کام تو نہیں'' بڑی بیوی نے سمجھا کہ دوسرے گھر کا ذکر گاؤں کے گھر کے بارے میں ہے خوش ہوکر بولیں

'' دیکھو نا انہیں اتنی فرصت بھی نہیں کہ اپنے کپڑے اور بستر وغیرہ اپنے دوست کے گھر سے لے آئیں جہاں میرے آنے سے پہلے ٹھہرے ہوئے تھے۔''

یہ سن کر سب ہنسنے لگیں تو بڑی نے کہا کہ

''تم میں سے ہی کوئی ہوگا جس کے گھر ہمارا سامان رکھا ہوا ہوگا۔''

آخر ایک نے زہر اگل ہی دیا

''ہمارے گھر کیوں ہوتا تمہارے میاں کا سامان رکھا ہوگا اپنی کسی چہیتی کے ہاں'' مگر بڑی کچھ نہ سمجھی۔

'' نہ بہن ناراض کیوں ہوتی ہو میں کیوں کسی کو ان کی چہیتی سمجھوں وہ تو مجھ سے بہت خوش ہیں۔''

بات ختم ہونے سے پہلے ہی سب نے قہقہہ لگایا اور سب ایک ساتھ کچھ بولنے لگیں باتیں آپس میں گڈمڈ ہوگئیں اور اس بیچاری کے پلے کچھ نہ پڑا۔

ایک دن رنگے سیّا رمیاں نے بڑی بیوی سے کہا۔

''تم سارا دن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہو۔ کسی کے گھر جا کر تھوڑا بہت کام کر دیا کرو تو اچھے خاصے پیسے مل جائیں گے۔ تمہارا اپنا خرچ ہی نکل آئے گا یہاں ایک جگہ کام ہے گھر بھی زیادہ دور نہیں ہے پاس ہی ہے گھر والی کا بچہ چھوٹا ہے ذرا دیکھ بھال کا کام ہے۔''

چہیتے میاں کی بات یہ کیسے ٹالتیں دوسرے ہی دن سے کام شروع کر دیا۔

محرم

ایسا بھی نہیں..... کہ ہم 'ص' سے ''صورت'' اور 'س' سے سورۃ کا فرق نہ سمجھ سکیں۔ مگر اس دن کچھ ایسا ہو ہی گیا اور بقول ابراہیم ذوق

نازاں نہ ہو خرد پہ جو ہونا ہے وہ ہی ہو
دانش تیری نہ کچھ میری دانشوری چلے

دراصل میں اس دن اپنی Packing میں اتنی مصروف تھی کہ سر اٹھانے کی فرصت نہ تھی میاں ہمارے پہلے ہی نیویارک جا چکے تھے اور اب مجھ پر اکیلے ہی تمام گھر کا سامان ٹھکانے لگانے کی ذمہ داری آن پڑی تھی ، میں نے اپنی بھانجی شیما کو مدد کے لئے اپنے گھر بلالیا تھا۔ وہ کام میں مصروف تھی کہ مجھے یاد آیا کہ ابھی عمرہ ویزا کے لئے فارم بھی تو بھرنا ہے، میں نے شیما سے کہا کہ سب کام چھوڑ کر تم سب سے پہلے میرا یہ فارم پُر کر دو تا کہ میں آج شام تک، یہ فارم سعودی ایمبیسی میں داخل کرادوں اتنی دیر میں اپنا یہ سوٹ کیس تیار کرلوں دراصل میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ نیویارک جاتے وقت جدہ میں اپنے بیٹے سے بھی ملاقات کرلوں

سائز کی نکالی جو میری تو نہیں البتہ ہماری بیٹی کی ضرور لگ رہی تھی بہر حال وہی اس صورت کے اوپر لگا کر پھر سعودی ایمبیسی پہنچے مگر اس مرتبہ کونسل جنرل کے کمرے میں جانے کی ہمت نہیں پڑی بلکہ ان کے سیکریٹری کے دفتر میں جا کر وہ فارم پیش کر دیا اور انہیں یقین دلایا کہ یہ صورت ہماری ہی ہے بہر حال اس کے بعد ہمیں عمرہ ویزا مل ہی گیا مگر ابھی مسئلے بہت باقی تھے۔

سامان بالکل تیار تھا دو سوٹ کیس اور دو ہینڈ بیگ بلکہ ان کا وزن بھی کر لیا۔ جتنا ہونا چاہئے تھا مگر ذوق نے ٹھیک کہا ہے کہ دانشوری نہیں چلتی دوسرے دن جب ہمارے بھائی بھاوج ہمیں ایئر پورٹ پہنچانے کے لئے آئے تو بھابی نے کہا کہ

''اتنے بھاری ہینڈ بیگ آپ اپنے کندھوں پر اٹھائیں گی لائیے ایک بیگ کا سامان میں سوٹ کیس میں رکھ دیتی ہوں'' انہوں نے جھٹ میرے ہاتھ سے چابیاں لیں اور دونوں سوٹ کیسوں میں آدھا آدھا سامان رکھ دیا۔ خیر ایئر پورٹ پہنچے کافی دیر ہو چکی تھی کیونکہ ہنگاموں کی وجہ سے کئی راستے بند تھے کاؤنٹر پر ایک پاکستانی صاحب پاسپورٹ چیک کر رہے تھے جب ہماری باری آئی تو

''انہوں نے کہا کہ جناب آپ کے سوٹ کیسوں کا وزن زیادہ ہے اس کے لئے آپ کو ایک ہزار روپے جرمانہ دینا ہوگا'' ہم نے بغیر سوچے سمجھے فوراً جواب دیا کہ

''ہمارے پاس روپیہ کہاں دیکھتے نہیں آپ کہ ہم امریکہ جا رہے ہیں''

انہوں نے کہا کہ

''اچھا تو پھر آپ ڈالر دے دیجئے'' ڈالر کا نام سن کر ہماری سٹی گم ہوگئی اب کیا کریں ابھی ہم سوچ ہی رہے تھے کہ وہ پھر بولے کہ

''جلدی کیجئے آپ آخری مسافر ہیں ورنہ آپ کا جہاز پرواز کر جائے گا'' اتنا سننا

کے لئے تڑپ رہی ہوں ، اور وہ وہاں پر، یہ سن کر وہ وہاں سے چلی گئیں اور میں اپنے امریکن پرنسپل کو خدا حافظ کہنے ان کے دفتر میں پہنچی۔ تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ

''تعجب ہے مسز احمد کہ آپ امریکہ جا رہی ہیں مگر کیوں؟ خیر انہوں نے دو لفافے میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے Good Luck اور خدا حافظ کہا اور یہ آپ کی اعلیٰ کارکردگی کا سرٹیفکیٹ اور انعام۔''

میں شکریہ کہہ کر ان لفافوں کو اپنے بیگ میں ڈال کر باہر نکل آئی اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا مبادا کوئی راستہ نہ روک لے۔ ارے تو یہ وہ لفافہ تھا جس میں ہزار روپیہ تھے جو پرنسپل نے مجھے دیا تھا میں نے تو اسے کھول کر بھی نہ دیکھا تھا میں تو اسے بالکل فراموش کر بیٹھی تھی۔

''چند لمحوں میں ہم جدہ ایئر پورٹ پہنچنے والے ہیں امید ہے آپ کا سفر خوشگوار گزرا ہوگا کیپٹن کی آواز سنائی دی'' اور تھوڑی دیر بعد ہم جدہ ایئر پورٹ پر خواتین کی لائن میں کھڑے تھے ہم جلدی میں تھے اس لئے خواتین کی لائن میں ہمارا دوسرا نمبر تھا آگے بیچاری ایک دیہاتی سی خاتون تھیں یہ اچھا ہوا کہ پاسپورٹ اور ویزا چیک کرنے والے صاحب اردو بولنے والے تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے پہلی خاتون سے سوال کیا کہ

''تم عمرہ کرنے آئی ہو تو تمہارا محرم کہاں ہے یہ تو تم جانتی ہونا؟ کہ خواتین بغیر محرم کے حج یا عمرہ نہیں کر سکتیں۔''

''وہ تو مر گیا جناب'' اس عورت نے سیدھا سادا سا جواب دیا۔

''اچھا تو تم پھر کس کے ساتھ آئی ہو'' انہوں نے اچھا کے الف کو کافی لمبا کھینچ کر کہا۔

بیٹے کو اندر نہیں آنے دیتے۔ آپ کوئی شخص ہمارے ساتھ کیجئے تا کہ دانش آپ کے سامنے پیش ہوسکیں'' آخر ایک آدمی ہمارے ساتھ گیا اس نے ہمارے بیٹے کا پاسپورٹ خراج خروج سب دیکھ کر اطمینان کیا۔ اس کے بعد سامان کی چیکنگ کی باری آئی۔ اس کی الگ ایک لمبی کہانی ہے بس اتنا ہی سمجھ لیجئے کہ انہوں نے کیمرہ کھول کر فلم نکال ڈالی اور اسے ایک ایک انچ دیکھا تمام خاندان کی تصاویر جو فریموں میں لگی تھیں انہیں ادھیڑ کر شیشے اور فریم الگ کر دیئے۔ سوٹ کیس میں سب سے نیچے بچھا کاغذ جب نکالا تو اوپر کا تمام سامان نیچے اور نیچے کا اوپر ہوگیا۔ اور پھر وہ اخبار کا کاغذ پڑھ کے سوٹ کیس میں سب سے اوپر اس طرح رکھ دیا جیسے کوئی بہت ضروری دستاویز ہو۔ آخر کار جب وہاں سے چھٹکارا ملا تو ہم نے سب سامان مالِ غنیمت سمجھ کر سمیٹ کر سوٹ کیس میں بھرا اور باہر نکل آئے۔ باہر بیٹے نے ہاتھوں ہاتھ لیا تو ہم نے اطمینان کا سانس لیا۔ کار میں بیٹھ کر جب ہم گھر کی طرف روانہ ہوئے تو میں نے عمرہ ویزا حاصل کرنے کا ۔ایئر پورٹ پر جرمانہ ادا کرنے کا حال سنایا تو دانش کا ہنستے ہنستے برا حال ہوگیا۔ دانش کہنے لگے کہ

''اچھا یہ بتایئے کہ سامان کا وزن زیادہ ہونے پر آپ نے ہزار روپے ادا کئے اس کی رسید انہوں نے آپ کو دی یا نہیں۔ اگر نہیں تو پھر وہ رقم ان کی جیب میں گئی''

بالکل گئی ہم نے کہا اور دل میں تہیہ کر لیا کہ اب ہمیشہ محرّم کے ساتھ ہی سفر کریں گے۔

.....O.....

ہوئے تم دوست جس کے

زیبا کے شوہر سلمان نے صوفے سے اٹھتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا کہ ''بھئی مجھے تو اب نیند آرہی ہے اور کل صبح دفتر بھی جانا ہے۔ تم دونوں باتیں کرو میں چلا۔''

عادل نے فوراً کہا ''یار سلمان تم اپنی خوبصورت بیوی کو اکیلا مجھ سے باتیں کرنے کے لئے چھوڑ جاتے ہو۔ کیا تمہیں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ میں تمہارے پیچھے زیبا کے ساتھ کچھ بھی کرسکتا ہوں۔''

سلمان نے اچانک یہ بات سن کر ایک قہقہہ لگایا اور کہا کہ

''اگر تم چاہتے ہو تو اپنا یہ شوق بھی پورا کر دیکھو۔ منہ کی کھانی پڑے گی۔ بتائے دیتا ہوں میں زیبا کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں''

یہ کہہ کر سلمان تو اپنے کمرے میں چلا گیا تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر عادل کہنے لگا۔

''سچ کہتا ہوں زیبا تمہاری شربتی رنگت نے تو مجھے دیوانہ بنا ڈالا ہے تمہارے

دونوں خوب ہنسے اور دیر تک ہنستے رہے۔

عادل اکثر Week end پر اپنی کمپنی کے کام میں کچھ رائے مشورہ لینے کے لئے سلمان کے گھر آتا تھا ،ایک رات یہاں ٹھہرتا اور دوسرے دن چلا جاتا وہ دونوں ہی سِول انجینئر تھے مگر سلمان تجربہ کار اور اپنے کام میں بڑا ماہر سمجھا جاتا تھا دونوں دوست شادی شدہ تھے اور امریکہ آکر بس گئے تھے۔

کچھ عرصہ بعد عادل کا تبادلہ کسی دوسرے شہر میں ہوگیا شروع میں سلمان اور عادل ٹیلیفون پر بات چیت کر لیتے تھے ۔ پھر آہستہ آہستہ یہ رابطہ بھی تقریباً ختم ہوگیا۔

بعد ایک مدت کے ایک دن سلمان کو ایک دعوت نامہ موصول ہوا جس میں عادل نے اپنے 20 سالہ بیٹے کی شادی میں شرکت کے لئے انہیں اپنے شہر آنے کی دعوت دی تھی لہٰذا سلمان اور زیبا دونوں گئے شادی کا ہال تازہ پھولوں سے سجا ہوا اور روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ اسٹیج کی سجاوٹ میں حسین دولہا دلہن کی موجودگی سے چار چاند لگ گئے تھے نکاح کے بعد ہر طرف سے مبارک باد کا شور برپا ہوا۔ ہر کوئی یہ چاہتا تھا کہ وہ سب سے پہلے اسٹیج پر پہنچ کر دولہا دلہن کے والدین کو مبارکباد دے۔

عادل بھی اسی آن بان اور باوقار مسکراہٹ کے ساتھ اسٹیج پر کھڑا رشتہ داروں اور دوستوں کی مبارکباد وصول کر رہا تھا۔ اب زیبا بھی اٹھی وہ اپنی پوری سج دھج کے ساتھ اپنی ساری کا بھاری پلو سنبھالتی ہوئی مبارکباد دینے کے لئے آگے بڑھی اس نے اسٹیج کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا اور دوسری سیڑھی پر قدم رکھنے سے پہلے ہی وہ عادل کے مضبوط ہاتھوں کے سہارے اسٹیج پر پہنچ گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو بہت عرصہ بعد دیکھا مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا۔

خانہ بربادی

نہ معلوم اس کا نام کاوا کیسے پڑا۔ ہوسکتا ہے کہ رنگ کالا ہونے کی وجہ سے اس کی ماں نے پیار سے کالا کہنا شروع کیا ہو اور کثرت استعمال سے کاوا ہوگیا۔ پھر تو جوانی تک اس نام نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا خاندان کا ہر فرد اسی نام سے پکارتا وہ بیچارا برسوں احساس کمتری و نامرادی کے تانے بانے میں ایسا جکڑا رہا جیسے مکڑی اپنے جالے میں کسی کیڑے کو جکڑ لیتی ہے۔ حالانکہ اب اس وقت ان ناخوشگوار حالات کو بیتے ہوئے ایک زمانہ گزر گیا، حادثات نے اچھے لوگوں کی بگاڑ دی اور بگڑوں کو بنا دیا۔ اسے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب وہ اپنے ایک دوست کو دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے اپنا اور اپنے چھوٹے بھائی کا سوٹ کیس دکھایا کرتا تھا۔

''یہ دیکھو میرا صندوق، جس میں صرف ایک خاکی پتلون ہے اس پر نہ استری ہے نہ پورے بٹن اور پتلون کے نیچے یہ سب میرے کورس کی کتابیں ہیں ان کو میں اپنے صندوق میں اس وجہ سے رکھتا ہوں کہ کوئی بھائی میری ان کتابوں کو اپنی کتابوں کے ساتھ الماری میں رکھنے کا روادار نہیں یہ دیکھو میرے چھوٹے بھائی کا

جاتا دنیا نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا تو میں کیوں رواداری برتوں۔اب جبکہ وہ ایک سے ایک بڑھیا سوٹ پہنتا ہے تو اس کے ذہن کے پردوں پر وہی خاکی پتلون آجاتی ہے اور اس کے منہ میں کڑواہٹ گھل جاتی ہے اسے یاد آتا کہ ایک مرتبہ وہ اپنے رشتہ دار کے گھر کے سامنے سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ تمام دروازوں اور کھڑکیوں پر خوش رنگ دھاری دار پردے پڑے ہوئے ہیں۔جن پر بے حساب کپڑا خرچ کیا گیا ہے تو اچانک اس خیال نے اس کے دل میں کروٹ لی کہ اگر ایک کھڑکی کا پردہ اس کے ہاتھ لگ جائے تو کتنے مزے کی بش شرٹ تیار ہو۔مگر اس کپڑے کو تو وہ قریب سے دیکھ بھی نہ سکتا تھا یہ رشتہ دار بڑے عہدے پر تھے، اس کی کیا مجال کہ وہ اندر چلا جائے ہاں صرف اس کا تصور اندر کی سیر کر آتا تھا ایک دفعہ نہ معلوم کیسے وہ وہاں پہنچ گیا تھا شاید اس کی ماں کھڑے کے کھڑے کسی کی طبیعت پوچھنے اس مکان کے اندر گئی تھیں اور وہ بدستور باہر دروازے پر کھڑا دھوپ سینک رہا تھا اسی اثنا میں اندر سے ایک دبلی پتلی نمکین سی لڑکی نکلی اور اس کو اس طرح وہاں کھڑا دیکھ کر کہا تھا۔" یہاں دھوپ میں کیوں کھڑے ہو ،اندر آجاؤ نا۔"

بس اس کا یہ کہنا اب تک اس کے دل پر کندہ ہے ،جس لگن سے اس نے یہ الفاظ کہے۔اس وقت بے اختیار اس کا دل چاہا کہ اس دیوی کے چرنوں پر اپنا سر رکھ دے اور رو رو کر کہے کہ تم اس دنیا میں پہلی ہستی ہو جس کے منہ سے میرے لئے یہ ہمدردی کے بول نکلے ہیں۔مگر جلدی ہی یہ خواب بکھر گیا اس کی ماں یہ کہتی ہوئی باہر نکل آئیں۔

"چل جلدی ،نہ منہ دھویا نہ کپڑے بدلے بس ساتھ لگ گیا۔وہ کتے کی طرح ماں کے پیچھے ہولیا۔کچھ بولنا یا کہنا تو اس کی سرشت میں ہی نہ تھا، جب تو چھوٹا تھا، مگر بڑا ہونے پر بھی جو اس نے چاہا وہ کبھی پورا نہ ہوا۔شاید قدرت تو مہربان ہو جاتی مگر والدین اور رشتہ دار دیوار بن کے آڑے آتے اور اس دیوار کو توڑنا اس کے بس

آخر کار ماں نے ایک لڑکی کو پسند کر ہی لیا۔لڑکی کے والدین اتنی عجلت میں شادی کرنے کو تیار نہ تھے مگر جب انہیں بتایا گیا کہ لڑکا انگلینڈ جا رہا ہے اور بہت قابل ہے تو وہ اپنی کم عمر لڑکی کو بیاہنے کے لئے تیار ہو گئے ،اب مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق کا وا شادی کے لئے تیار ہو گیا۔ نہ اسے خوشی نہ غم اس کی زندگی میں جینا مرنا سب کچھ دوسروں کی مرضی سے ہوتا آیا تھا، پس شادی بھی اسی طرح ہو گئی۔

اسے دنیا کی ہر چیز حاصل تھی مگر محبت نہیں ملی۔ جو انسان کا پیدائشی حق ہے ماں باپ کی محبت، بہن بھائیوں کی محبت، بیوی کی محبت، یہاں تک ہوا کہ جس کو وہ محبت دینا چاہتا تھا اس کو بھی نہ دے سکا۔ محبت وہ شے جس کو حاصل کر کے وہ ہر چیز کو ٹھکرا سکتا تھا۔

رفیق لندن پہنچا اس نے اپنے دوست سے کہہ کے وہاں ایک اپارٹمنٹ کا انتظام کروالیا تھا۔ دوسرے دن سے ہی وہ اپنے کام پر چلا گیا جس طرح اس نے اپنے دو سوٹ کیس کمرے میں رکھے اسی طرح بیوی کو بھی کمرے میں چھوڑ کر وہ اپنی ٹریننگ میں مشغول ہو گیا، اسے فکر نہ تھی کہ پیچھے جس لڑکی کو چھوڑ آیا ہے وہ کیا کرے گی ۔عقیلہ اس کی بیوی نے دو چار اردو کی کتابیں ضرور پڑھی تھیں۔ کہاں میاں کا دماغ علم کا خزانہ اور کہاں وہ گنوار سی لڑکی وہ تو عقیلہ کی تقدیر اچھی تھی کہ ایک پاکستانی فیملی اس کے برابر میں رہتی تھی اس کی لڑکیوں نے جب ایک دلہن کو ٹیکا لگائے اچھے کپڑے پہنے دیکھا تو اس کی دوست بن گئیں اور وہاں کے طور طریقے سکھانے لگیں گراسری لانا، لانڈری کرنا، کھانا پکانا وغیرہ۔

عقیلہ اگر کبھی میاں سے اس کی لاپرواہی کی شکایت کرتی تو اس کے منہ میں سوائے چپ کے کوئی جواب نہ تھا ،اگر کسی وقت وہ خاموش کسی سوچ میں گم بیٹھا ہوتا۔اور عقیلہ اس سے پوچھ لیتی کہ

عقیلہ نے موقع غنیمت جان کر وہیں ایک طرف ہوکر اپنی ایسی ہی پینٹنگ بنوانے کی فرمائش کی۔ پینٹر سمجھ گیا کہ اس وقت لوہا گرم ہے اس نے کہا کہ میں ایڈوانس قیمت وصول کرتا ہوں جب عقیلہ کو اس نے رقم بتائی تو وہ سکتے میں آ گئی پھر بھی اس نے دوسرے دن پینٹر کو اپنے گھر بلایا اور ایک بڑی رقم کا چیک اسے ایڈوانس دیدیا۔

اتوار چھٹی کا دن تھا۔ رفیق کے والدین، بہن بھائی اور رشتہ دار سب ملازمت اور مکان کی مبارکباد دینے آئے ہوئے تھے بڑی چہل پہل اور ہنسی مذاق کا بازار گرم تھا کہ کسی بچے نے آکر کہا کہ باہر پولیس کی گاڑی آئی ہے۔

رفیق گھر سے باہر نکلا۔ تو پولیس انسپکٹر نے بتایا کہ

'' آپ کے خلاف بہت الزامات ہیں آپ نے اپنی کمپنی سے کئی بڑی رقمیں نکلوائی ہیں کل اسی ہزار کا چیک کسی پینٹر کو دیا گیا ہے ٹھیکیداروں سے لاکھوں روپوں کا کام کروایا گیا ہے اس لئے آپ کو گرفتار کیا جاتا ہے۔''

اسی اثنا میں دروازے پر ایک ہجوم لگ گیا۔ رفیق کے والدین پریشانی کی حالت میں ہر ایک سے پوچھنے لگے'' یہ سب کیا ہے یہ کیا ہو رہا ہے پولیس کیوں آئی ہے کچھ تو بتاؤ۔''

رفیق نے کہا'' میں بتاتا ہوں یہ سب آپ کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے۔ آپ نے بیوی میرے لئے ایسی تجویز کی جس نے مجھے ہتھکڑی پہنا کے چھوڑی۔ میں نے بہت منع کیا بہت روکا تو پھر مجھ سے پوشیدہ کام ہونے لگا، مجھ جیسے آدمی کا یہی انجام ہونا چاہئے تھا۔''

یہ کہہ کر وہ سب کو روتا دھوتا چھوڑ کر پولیس انسپکٹر کے ساتھ پولیس کی گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا۔

.....O.....

شرمین

گرمیوں کی ایک سنہری شام کو جب ماہین نے نہا کر ململ کا نرم و نازک پھولوں کا سوٹ پہنا تو وہ خود کو اتنا ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی۔ جیسے آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہو وہ آئینے کے سامنے کھڑے ہوکر اپنے بال سنوارنے لگی اس نے سیدھے بال بنا کر ڈھیلی سی لمبی چوٹی گوندھ کر پیچھے ڈال لی۔ اور آئینے نے بتایا کہ اس کی گلابی رنگت پر اسے میک اپ کی چنداں ضرورت نہیں۔ یکا یک اس کے دل میں خود ستائی کا جذبہ ابھرا اور بے اختیار ماہین کا دل چاہا۔ کاش اس وقت کوئی آجائے گھر میں وہ اکیلی تھی میاں کے دفتر سے آنے میں دیر تھی میاں کا خیال آتے ہی اس کا دل بجھ سا گیا وہ کب میری طرف دیکھتے ہیں یا میرے کپڑوں کی تعریف کرتے ہیں ان کے لئے تو اچھی طرح تیار ہونا یا اسی طرح اجاڑ بیٹھے رہنا سب برابر ہے۔ دفتر اور اس کے بعد کلب یہی ان کی دنیا ہے۔

ماہین سوچنے لگی کہ جمالی کو کلب جانے کی ضرورت کیوں پیش آئی صرف اس وجہ سے کہ ان کے اور میرے خیالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اور اس کی بھی

ارے وہ بیچارا وہاں اکیلا بیٹھا بور ہو رہا ہوگا..... ماہین اپنے خیالات سے چونکی۔ کیوں نہ تھوڑی دیر چل کر اسی سے باتیں کی جائیں اپنی بھی کچھ بوریت دور ہوگی یہ سوچ کر ماہین نے بیڈ سے نیا ڈائجسٹ اٹھایا اور وہ اسے دینے کے بہانے سے پھر ڈرائنگ روم میں جا پہنچی۔

''لیجئے یہ دیکھئے تازہ ڈائجسٹ آج ہی آیا ہے''

نوجوان نے ہاتھ سے اخبار رکھ کر بڑی شائستگی سے ذرا سا کھڑے ہوکر شکریہ کے ساتھ ڈائجسٹ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ماہین بھی قریب کے صوفے پر بیٹھ گئی نوجوان نے کتاب کو الٹ پلٹ کر دیکھا ،وہ کچھ گھبرایا ہوا سا نظر آیا صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ماہین کی موجودگی سے دور بھاگ جانا چاہتا ہے۔

''اچھا اب میں چلوں گا جمالی صاحب سے میرا سلام کہہ دیجئے میں پھر کسی وقت آجاؤں گا'' یہ کہہ کر وہ کھڑا ہوگیا۔

''آپ کا نام اگر جمالی پوچھیں گے تو؟'' ماہین نے سوال کیا۔

وہ ذرا سا نروس ہوکر ماہین کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''کہہ دیجئے تنویر آیا تھا'' یہ کہہ کر وہ رخصتی سلام کر کے آنِ واحد میں دروازہ کھول کر نظروں سے غائب ہوگیا ''عجیب لڑکا ہے ذرا دیر بھی نہ بیٹھا میں خواہ مخواہ آکر بیٹھی۔ ماہین سوچنے لگی۔ خیر چھوڑو جمالی سے اس کے متعلق معلوم کروں گی جمالی صاحب کی آمد نے ماہین کو اس کے تصورات سے باہر نکالا۔ ماہین نے تنویر کے متعلق بتایا۔

''ہاں آیا ہوگا بڑا محنتی لڑکا ہے ذرا سی عمر میں پڑھ لکھ کر اپنا کام شروع کر دیا ہے اور ہزاروں روپے کما رہا ہے مجھ سے اکثر اپنے بزنس کے سلسلے میں مشورہ لینے آتا ہے بیچارے کے والد کا انتقال ہو چکا ہے اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ کلفٹن میں

''تو پھر ادھر ہی آجایئے'' ماہین آگے جا بیٹھی تنویر نے دروازہ بند کیا اور جلدی سے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کردی۔

''آپ کہاں جانا چاہتی ہیں'' تنویر نے ماہین کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔

''جہاں تم لے جانا چاہو'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''آپ جمالی صاحب کے ساتھ کلب کیوں نہیں جاتیں'' تنویر نے دریافت کیا۔

''دراصل مجھے کلب کی زندگی پسند نہیں وہاں آدمی اپنی ذات اپنی شخصیت کھو بیٹھتا ہے پھیکے پھیکے بے جان قہقہے ،روزانہ وہی گھسے پٹے جملے دہرانا ،کسی ایک شخص کو تختہ مشق بنا کر اس پر پھبتیاں کسنا ، مجھے ان باتوں سے کوئی خوشی حاصل نہیں ہوتی۔اس لئے میں کلب نہیں جاتی۔''

''مجھے بھی آپ کی رائے سے سو فی صد اتفاق ہے میں بھی کلب کی زندگی سے دور بھاگتا ہوں حالانکہ میرے دوست بہت اصرار کرتے ہیں مگر میں پسند نہیں کرتا تنویر نے جواب دیا۔

''کیوں تمہیں جانے میں کیا اعتراض ہے'' ماہین نے اسے ٹٹولنا چاہا۔

''حقیقت میں کلب وہ لوگ جاتے ہیں ماہین صاحبہ جنہیں شراب جوئے اور تاش جیسے کھیلوں سے شغف ہو، مجھے یہ سب کھیل قطعی پسند نہیں دراصل اس کی بھی ایک وجہ ہے میرے بچپن میں ہی میرے والد کا انتقال ہوگیا تھا ، میری والدہ نے اپنی جوانی میرے لئے وقف کردی انہوں نے بڑی محنت اور کاوش سے میری پرورش کی مجھے پڑھایا اور اس قابل بنایا کہ اب خدا کے فضل سے ہم کسی کے محتاج نہیں بلکہ امی تو مجھے ہی اپنی دولت سمجھتی ہیں انہیں میرے اوپر فخر ہے اب آپ بتایئے کہ میں کلب جا کر ان کے اعتماد کو کیسے ٹھیس پہنچا سکتا ہوں ، انہوں نے اپنی

''ہاں بیٹی بس میری بھی یہی آخری تمنا ہے کہ تنویر کا گھر بسا دوں مگر یہ کسی صورت ابھی شادی کرنے کو تیار ہی نہیں ہوتا۔ کہتا ہے کہ جب تک غیب سے شادی کا اشارا نہ ہو زبردستی کرنا بیکار ہے اب بھلا بتاؤ اس کے لئے غیب سے لڑکی اترے گی۔''

تنویر اپنی امی کے پاس بیٹھا مسکراتا رہا اور کبھی کبھی ماہین کی طرف بھی ایک اچٹتی نظر ڈال لیتا۔ جب ماں نے زیادہ پیچھا لیا تو وہ اٹھ کر اندر چلا گیا۔

''تمہاری نظر میں کوئی لڑکی ہو تو بتانا بیٹی مگر لڑکی سلیقہ مند اور صورت سیرت میں بے عیب ہونی چاہئے۔ کیونکہ خدا کے فضل سے میرے بچے میں بھی کوئی عیب نہیں۔ جمالی تو اس کو برسوں سے جانتے ہیں۔

''جی ہاں'' ماہین نے اثبات میں گردن ہلائی اور اپنے تصور میں شرمین کو سرخ عروسی جوڑے میں دلہن بنے اس کمرے کی مسند پر بیٹھا ہوا دیکھنے لگی اور جیسے تنویر ذرا دور بیٹھا اپنی دلہن کی طرف مسکرا مسکرا کر دیکھ رہا ہے ماہین کے انگ انگ سے سرخوشی اور شادمانی کے سوتے پھوٹنے لگے بعض اتفاقات بھی کتنے بامعنی اور حسین ہوتے ہیں ماہین نے سوچا اگر وہ تمام شہر میں چراغ لے کر بھی ڈھونڈتی تو اس کو تنویر جیسا وجیہہ اور صالح لڑکا نہ ملتا اسے اپنے خواب کی تعبیر نظر آنے لگی۔

''اب مجھے چلنا چاہئے۔ میں آپ کی بات کا خیال رکھوں گی، آپ تنویر کی پسند تو ملحوظ رکھیں گی نا؟'' ماہین نے تنویر کی امی سے استفسار کیا۔

''ہاں بیشک مجھے اس کی پسند معلوم ہے وہ کبھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھائے گا۔''

''تنویر کہاں گئے مجھے چھوڑ آتے بہت دیر ہوگئی'' ماہین نے کہا۔

''وہ تو کھانے کے کمرے میں تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔''

امی آگے آگے اور پیچھے ماہین جب کمرے میں پہنچیں تو ماہین کو میز پر پُر تکلف

ہر بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہمارے معاشرے میں بعض شادیاں لڑکے یا لڑکی کی پسند کے مطابق نہیں ہوتیں۔ ایسی شادیوں میں کسی ایک کو ضرور اپنے خاندان کی عزت و وقار کا نشانہ بننا پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسی شادی میں نہ عمر کا فرق دیکھا جاتا ہے نہ مزاج کا مجھے معلوم ہے کہ تم جمالی کی بڑی عمر دیکھتے ہوئے یہ بات پوچھ رہے ہو مگر میں خوش ہوں جمالی میرا ہر طرح بہت خیال رکھتے ہیں اور میں ان کا۔ رہا کلب کا معاملہ تو وہ ان کا شوق ہے'' تنویر نے درمیان میں ماہین کی بات کاٹ کر جملہ مکمل کیا۔

''یہی وجہ ہے کہ جمالی صاحب آپ پر نا قابل یقین حد تک اعتماد رکھتے ہیں''

ماہین کا گھر آ گیا تھا تنویر ماہین کو دروازے تک پہنچا کر اور خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو گیا۔

کمرے میں گھستے ہی ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ ماہین نے لپک کر ریسیور اٹھایا شرمین کل آ رہی ہے یوں تو ماہین ہمیشہ ہی اس کی آمد پر خوش ہوتی تھی مگر اس دفعہ اس کی خوشی قابل دید تھی، وہ بے چینی سے کل کا انتظار کرنے لگی جمالی کو معلوم ہوا تو وہ بظاہر کم مگر دل میں زیادہ خوش ہوئے کہ اب ماہین کی وجہ سے کلب سے جلدی گھر لوٹنے کی کوئی پابندی نہیں رہے گی۔ وہ بالکل بے فکر ہو گئے وہ پہلے بھی ماہین کی کوئی فکر کرتے تھے بس برائے نام ایک خوبصورت بیوی ان کے گھر کی رونق کی رہائش کا سوال تو جمالی نے اپنا دل کلب کی نذر کر دیا تھا اور ماہین ایک شریف بیوی کی طرح اسے اپنے گھر میں لگائے رکھتی تھی، کہنے والے نہ معلوم کیا کیا کہا کرتے تھے مگر ماہین ایک صاف ستھرے ذہن کی مالک تھی اور ان باتوں سے بالکل بے نیاز۔

دوسرے دن صبح جمالی اور ماہین ایئر پورٹ جا کر شرمین کو لے آئے، جمالی نے

”نہیں آج تو آپ کو بھی چلنا ہوگا۔ دیکھیں گے آپ کے آئیڈیل کو بھی شام کو تو آئے گا نا؟ شرمین نے پوچھا۔

” وہ تو روز ہی آتا ہے اور آج تو ضرور آئے گا کیونکہ میں اس کے کان میں تمہارے آنے کی بھنک ڈال چکی ہوں“ ماہین نے جواب دیا۔

شرمین اپنی بہن کی بات پر دل ہی دل میں مسکرائی اور ایک طائرانہ نظر ڈال کر اپنے جسم کا جائزہ لیا۔ سرخ و سپید رنگ نقش ذرا موٹے درمیانہ قد بال کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں کے ناخن بڑھے اور رنگے ہوئے فیشن کی مکمل تصویر وہ بڑی طمانیت اور شان رعنائی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کمرے میں جا کر سوگئی شام کو شرمین ذرا احتیاط سے تیار ہوئی۔(First impression is the last impression) آج تنویر سے پہلی ملاقات ہوگی نوک پلک سے درست ہوکر وہ ڈرائنگ روم میں جا بیٹھی۔ ماہین اپنے شام کے ضروری کام نمٹاتی رہی کافی دیر ہوگئی مگر تنویر نہیں آیا اور کچھ دیر انتظار کیا مگر اس کے آنے کا وقت گزر چکا تھا ماہین کے دل میں کچھ شبہات پیدا ہوئے، کیا بات ہوسکتی ہے کچھ ضروری کام آپڑا ہوگا۔ ورنہ وہ ضرور آتا اس نے شرمین کو بھی یہی سمجھایا۔ جمالی نے بھی دفتر سے آنے پر سب سے پہلے تنویر کو پوچھا۔

”کوئی خاص وجہ ہوگی نہ آنے کی، چلو آج میں تم دونوں کو گھما لاتا ہوں، میرے کلب جانے میں تو دیر ہو جائے گی مگر خیر کل میں تنویر کو فون کردوں گا، کہ جب تک یہاں شرمین موجود ہے روز شام کو یہاں آجایا کرے“ ماہین پہلے ہی دن اس طرح اپنے پروگرام کو بگڑتے دیکھ کر کچھ اداس سی ہوگئی اور شرمین بھی اتنی لگن سے کئے ہوئے میک اپ پر وقت خراب ہونے پر دل ہی دل میں کڑھنے لگی خیر دونوں بے دلی سے اٹھیں اور کار میں جا کر بیٹھ گئیں۔ دونوں نے آج گارڈن

ماہین بھی کار کی آواز سن کر باہر نکل آئی یہاں منظر ہی کچھ بدلا ہوا پایا۔

''ارے تنویر تم نے تو پہچان لیا ہوگا نا؟ یہ ہے میری بہن شرمین۔'' ماہین بولی۔

'' آپ کی بہن نظر تو نہیں آتیں آپ کہتی ہیں تو مان لیتا ہوں۔ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر'' تنویر نے دور سے ہی جواب دیا۔

'' قریب آ کر تعارف کرواؤ نا اتنی دور کیوں کھڑے ہو'' ماہین نے دونوں کو مخاطب کیا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ'' آپ کی بہن تو بنی ہوئی ہیں شعلۂ جوالا۔ میں غریب اگر ان کی لپیٹ میں آ گیا تو کہیں کا نہ رہوں گا۔''

تنویر نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ اس بات پر دونوں ہنس پڑیں اور دل ہی دل میں خوش ہوئیں کہ تیر نشانے پر بیٹھا اب باقی مرحلے خود بخود طے ہو جائیں گے۔

''آج کہاں چل رہے ہو تنویر۔'' ماہین آج تنویر سے بڑی بے تکلفی برت رہی تھی، کیونکہ اب تکلف اور بناوٹ اس نے شرمین کے لئے چھوڑ دی تھی۔

''جہاں آپ کہیں وادیٔ کہسار کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''بہت اچھا خیال ہے۔'' ماہین یہ کہہ کر جلدی سے اندر جمالی کو اطلاع دینے دوڑی اور تنویر نے لپک کر پیچھے کا دروازہ کھول کر شرمین کو کار میں بیٹھنے کی دعوت دی۔ شرمین کو ناگوار سا گزرا۔ اتنے میں ماہین بھی آ گئیں اور تنویر نے جھٹ سے آگے کا دروازہ کھول کر ماہین سے کہا۔

'' آپ یہاں آیئے۔''

''نہیں بھئی میں پیچھے بیٹھوں گی شرمین آگے بیٹھ جائے گی۔''

''وہ بیچاری آگے کہاں بیٹھیں گی شرمائیں گی '' تنویر نے کہا۔

دکھا کر آ رہا ہوں۔اس نے آرام کا مشورہ دیا ہے۔''

ماہین کو قدرے اطمینان ہو گیا مگر جب وہ صبح کو اٹھی تو اس نے دیکھا کہ جمالی ہمیشہ کے لئے گہری نیند سو چکے ہیں رات کو کسی وقت ان کا ہارٹ فیل ہو گیا ڈاکٹر نے شراب کی زیادتی اور کلب کی بے راہ روی موت کا سبب بتائی۔ماہین کئی دن بہت مضطرب رہی۔ کچھ دن تعزیت کرنے والوں کا سلسلہ جاری رہا پھر آہستہ آہستہ حالات معمول پر آنے لگے۔

شرمین اب کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی۔وہ پہلے دن ہی تنویر کے رویہ سے سمجھ گئی تھی کہ وہ اس کی طرف ملتفت نہیں ہے ،وہ میرا نہیں بن سکتا۔مگر اپنی بہن ماہین کی خوشی کی خاطر خاموش رہی۔مبادا ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو، مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا، جمالی کے انتقال کے بعد شرمین نے بہتر سمجھا کہ اب وہ درمیان میں ایک دیوار ہے، ایک آڑ ہے، اسے راستے سے ہٹ جانا چاہئے ،تنویر کے لئے بھی راستہ سہل ہو جائے گا اور شاید ماہین بھی رفتہ رفتہ تنویر کے راستے پر گامزن ہو جائے۔ اور اس طرح وہ دونوں اپنی منزل کو پالیں مگر میری موجودگی میں ایسا نہیں ہو سکے گا ،ماہین ابھی جوان ہے خوبصورت ہے جمالی کے بعد وہ کس طرح پہاڑ سی زندگی تنہائی میں گزارے گی۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اپنے کسی رشتہ دار کی مرہون منت نہیں ہو گی، یہ سب خیالات اس کے ذہن میں آتے رہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا قلم بھی چلتا رہا وہ تیزی سے کچھ لکھتی رہی۔

اتنے میں اس نے ماہین کے آنے کی آہٹ سنی۔شرمین نے جلدی سے وہ پرچہ تہہ کر کے میز پر کتاب کے نیچے رکھ دیا۔

ماہین کمرے میں آتے ہی کہنے لگی''شرمین آج جب تنویر آئے تو تم اس کے ساتھ جا کر کوئی اچھی سی مووی دیکھ آؤ بہت دن سے باہر بھی نہیں نکلی ہو۔''

ایک ساتھی کی ضرورت پڑتی ہے اس سے پہلے کہ دو گھر بگڑ جائیں اگر ایک گھر سنور جائے تو کتنا اچھا ہو۔ میری باتوں پر غور کیجئے امید ہے آپ صحیح فیصلہ کریں گی۔

آپ کی بہن

شرمین

کچھ عرصے بعد ایک دن ماہین نے مقامی اخبار میں تنویر کی والدہ کے انتقال کی خبر پڑھی تنویر نے ماہین کے کہنے کے مطابق اب اس کے گھر آنا چھوڑ دیا تھا، ایک ہفتہ ماہین تنویر کے گھر جائے یا نہ جائے کی کشمکش میں مبتلا رہی آخر کار اس نے سوچا کہ کسی کے غم میں بھی شریک نہ ہونا انسانیت سے بعید ہے، جب ماہین نے تنویر کے گھر میں قدم رکھا تو تنویر کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے اجڑے گھر میں بہار آ گئی ہو ماہین نے پہلی بار تنویر کے بکھرے بال اور اداس چہرہ دیکھا تو اس کے دل کو ٹھیس سی پہنچی۔ اس نے سوچا کیا یہ سب میری بے اعتنائی کا نتیجہ ہے کیا شرمین ٹھیک کہتی تھی۔

''تم نے اپنی یہ کیا حالت بنائی ہے تنویر؟'' معاً ماہین کے منہ سے یہ الفاظ سن کر تنویر میں دل کی بات کہنے کی جرات پیدا ہوگئی۔

وہ فوراً بولا ''ماہین اب اس دنیا میں میرا کوئی نہیں سوائے تمہارے۔''

اس نے پہلی مرتبہ اس کو ماہین کے نام سے مخاطب کیا۔

''میں تو ہوں تمہاری اب میں ہمیشہ کے لئے تمہاری ہوں۔'' یہ کہتی ہوئی ماہین کھڑکی کے قریب جا کھڑی ہوئی اور باہر چاند کو دیکھنے لگی اور پاس ہی کرسی پر بیٹھا ہوا تنویر یہ شعر گنگنانے لگا۔

مجھے سہل ہوگئیں منزلیں وہ ہوا کے رخ بھی بدل گئے
تیرا ہاتھ، ہاتھ میں آ گیا کہ چراغ راہ میں جل گئے

.....O.....

کمرہ نمبر 13

''ایک کروڑ پتی شخص سائمن کی خوبصورت بیوی جینا اپنے بیڈروم میں مردہ پائی گئی۔اس جرم کے شبے میں اس کے شوہر سائمن کو گرفتار کرلیا گیا۔''

یہ آج کے اخباروں کی سرخی تھی۔

جینا بہت خوبصورت موڈل تھی، اس کا معاوضہ سب سے زیادہ تھا اور وہ دنیا بھر میں مشہور تھی۔ چند منٹوں کے کام کے وہ لاکھوں ڈالر وصول کیا کرتی تھی، جس وقت ٹی وی پر اس کی تصویریں دکھائی جاتیں تو دیکھنے والے پلکیں جھپکنا بھول جاتے تھے۔ فوٹو گرافر مختلف زاویوں سے اس کی تصویریں کھینچتے اور وہ پل پل اپنے زاویے بدلتی رہتی۔ سمندر میں غوطہ لگا کر ایسے باہر نکلتی جیسے جل پری نے سر نکالا ہو۔ آبشار کے نیچے نہاتے ہوئے اس کے جسم پر پانی اس طرح چھنٹیں اڑاتا جیسے کسی شیشے کے مجسمے پر پڑ رہا ہو۔ لوگ دور دور سے ہی اسے دیکھا کرتے اور آہیں بھرا کرتے۔ کسی کو مقدور نہ تھا کہ اس کے قریب پھٹکتا، مگر پیسے میں عجیب مقناطیسیت ہے اور یہی وجہ تھی کہ وہ ایک کروڑ پتی شخص سائمن کی بیوی بن گئی۔ لیکن شوبزنس کی چکا چوند سے کنارہ کشی کر لینا کوئی

پھر تھوڑے ہی عرصے بعد ایک سنسنی خیز خبر اخبارات کی زینت بنی کہ سائمن کے مقدمے کی مشہور وکیل استغاثہ خاتون نے اسی سائمن سے شادی کر لی جسے مجرم ثابت کرنے کے لئے اس نے اپنے دن رات ایک کر دیئے تھے۔ ٹی وی کے تمام چینلز اس خبر کو بار بار کئی روز تک دکھاتے رہے۔ شادی کے بعد بھی وقتاً فوقتاً انہیں ٹی وی پر کبھی کلب میں ڈانس کرتے ہوئے، کبھی غسل آفتابی کے وقت اور کبھی کسی پکنک کے مقام پر دکھایا جاتا رہا۔ عام گھروں میں سائمن کے مقدمے پر اور ان دونوں کی شادی پر تبصرہ کیا جاتا رہا۔ لوگ خصوصاً خواتین سخت حیرت کا اظہار کرتیں کیا یہ وہی عورت ہے جو کمرہ عدالت میں سائمن کی جانی دشمن تھی۔ بہر حال کچھ دنوں بعد یہ واقعہ بھی ماضی کے ان لاکھوں واقعات کی طرح لوگوں کے ذہنوں سے نکل گیا اور لوگ اس واقعے کو بھول گئے۔

ایک صبح اچانک ٹی وی اور اخباروں کی ایک خبر نے عجیب طرح کی سنسنی پیدا کر دی اور تہلکہ مچا دیا ''سائمن کی نئی خوبصورت وکیل بیوی اپنے شکاگو والے مکان کے بیڈ روم میں مردہ پائی گئی، اسے بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا گیا تھا۔''

اس بار بھی مقتولہ کے شوہر سائمن کو قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن سائمن قتل کی واردات کے وقت شکاگو میں سرے سے موجود ہی نہ تھا بلکہ وہ نیویارک کے ایک ہوٹل کے کمرہ نمبر 13 میں مقیم تھا۔

.....O.....

سرِ راہے

میرا چھوٹا بھائی نجم میرے پاس لاس اینجیلس آیا ہوا تھا، اس دن ہمارا ارادہ اسے یونیورسل اسٹوڈیو دکھانے کا تھا، مگر جب کیلنڈر پر نظر پڑی تو دیکھا کہ آج عالمی مشاعرہ ہے، نجم کو ادب سے بھی لگاؤ ہے اور وہ گاتا بھی خوب ہے، تو طے یہ پایا کہ مشاعرے میں چلنا چاہئے، ہم مشاعرے کے ہال میں پہنچے ہی تھے اور اچھی سیٹوں کی تلاش میں ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ نجم ایک دم چونک کر بولا ''دیکھا آپ نے آپا''؟ کیا دیکھا میں نے کہا وہ دیکھئے اس نے کونے والی سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا'' کیا وہ طاہرہ بیٹھی ہے۔''

میں نے دیکھا۔ واقعی بالکل طاہرہ ہے پھر میں نے نجم سے پوچھا ''تمہیں ابھی تک طاہرہ یاد ہے'' ہاں یاد ہے وہ کوئی بھولنے والی چیز ہے کتنا عرصہ ہو گیا اس بات کو میں نے پوچھا۔'' تقریباً پندرہ سال تو ہو گئے ہوں گے۔''

اب کوئی صاحب اسٹیج پر آ کر جلسے کی کارروائی اور مشاعرے کے متعلق پروگرام کا علان کر رہے تھے۔ اور مجھے پاکستان کے پندرہ سال پیچھے کے وہ تمام واقعات

میں دیکھنے کی بجائے اسے مقابل سے دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ دراز قد، دبلی پتلی ،صاف رنگ اور نہایت موزوں نقش والی بلا کی جاذب نظر لڑکی تھی۔ وہ اتنی نرم اور ملائم آواز سے بات کر رہی تھی کہ صرف دکاندار ہی سن سکتا تھا، ذرا دیر بعد وہ اپنا سامان لے کر دکان سے نیچے اترنے لگی۔ نجم نے جلدی سے میرے ہاتھ سے سامان لے کر وہیں کاؤنٹر پر پھینکا اور بولا ''بس اب چلیئے کار میں بیٹھئے میں دل ہی دل میں ہنسنے لگی کہ آج تیر نشانے پر بیٹھا۔ بیچارہ نجم بری طرح گھائل ہوا ہے وہ لڑکی پیدل ہی جا رہی تھی اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کہیں قریب ہی رہتی ہے لڑکی کی مخالف سمت میں نجم بہت آہستہ آہستہ کار چلا رہا تھا اور شیشے میں دیکھ رہا تھا کہ وہ کس گلی میں مڑتی ہے۔ جب وہ نظر سے غائب ہوگئی تو پھر نجم نے تیزی سے مجھے میرے گھر پر اتارا اور کہنے لگا کہ ''دیکھا آپ نے مجھے ایسی لڑکی چاہئے'' اور پھر چشم زدن میں کار لے کر نظروں سے غائب ہوگیا۔ میں نے سوچا کہ اب یہ لڑکی نجم کو پسند آ گئی ہے تو بچ کر کہاں جائے گی۔ اور اتفاق سے رہتی بھی ہمارے ہی محلے میں ہے نجم تو اس کی سات پشتوں کا پتہ نکال لائے گا۔

دراصل بات یہ تھی کہ ہم لوگ بہت عرصہ سے نجم کی شادی کے لئے لڑکیاں دیکھ رہے تھے۔ مگر انہیں کوئی پسند ہی نہ آتی تھی، نجم بذات خود دراز قد ہیں۔ اس لئے پستہ قد لڑکیاں تو ویسے ہی ان کے معیار سے نکل گئیں موٹا پا انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتا اس وجہ سے وزنی لڑکیوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ رنگ بھی لڑکی کا صاف ہونا چاہئے ورنہ آئندہ کی نسلیں بگڑ جانے کا خدشہ ہے۔ اور خاندان بھی ہمارے خاندان سے ملتا جلتا اور ہم مذاق ہو ورنہ بات نہیں بنتی۔ اب اتنی پابندیوں کے بعد لڑکی کہاں سے اچھی ملتی۔ مگر اب بات بنتی نظر آ رہی تھی۔

آخر کار نجم نے راستہ نکال ہی لیا۔ نہ معلوم کیسے کیسے چکر چلا کر ہماری بیٹی سیما سے طاہرہ کی دوستی کروائی۔ بظاہر نجم درمیان میں نہیں تھے مگر سب کارگزاری انہیں کی تھی

چین سا بیٹھا تھا پھر بولا

''بتایئے نا آپا وہ لڑکی کون ہے۔'' میں نے نجم کی یادداشت کو سراہا اور جواب دیا۔

واقعی تمہاری پہچان کا جواب نہیں'' یہ لڑکی جو تم دیکھ رہے ہو طاہرہ تو نہیں مگر ہاں اس کی بیٹی سائرہ ضرور ہے اور طاہرہ وہ بیٹھی ہے سامنے کالے کپڑوں میں۔'' نجم نے ادھر دیکھا'' وہ ارے وہ طاہرہ ہے اتنی موٹی اور بھدی'' نجم نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں میں ابھی اسے بلاتی ہوں اکثر ہماری ملاقات مشاعروں اور ادبی محفلوں میں ہوتی رہتی ہے'' میں نے طاہرہ کو آواز دی اور اشارے سے اپنے پاس بلایا وہ اٹھ کر میرے پاس آ گئی تو میں نے پوچھا

''طاہرہ کیا تمہیں وہ لڑکا نجم یاد ہے جو شادی سے پہلے تمہاری گلی کے سو سو چکر لگاتا تھا۔''

ہاں آپ کے بھائی مجھے اچھی طرح یاد ہیں یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر سرخی سی چھا گئی۔

''مگر تم نے اسے پہچانا نہیں۔'' میں نے کہا'' کیا وہ یہاں موجود ہیں'' طاہرہ نے خوشی اور حیرانی کے ملے جلے لہجے میں دریافت کیا'' ہاں بالکل میرے برابر میں۔''

ارے آپ تو بالکل بدل گئے۔

اب طاہرہ نجم سے مخاطب تھی۔ تعجب ہے میں تو بالکل نہیں پہچانی آپ کو پہلے تو آپ بالکل فلمی ہیرو لگتے تھے۔

''میں نے بھی تو تمہیں نہیں پہچانا پہلے تم بھی بالکل ہیروئن لگتی تھیں اب کیا ہو گئیں'' نجم نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس بات پر دونوں خوب ہنسے اور پھر شرمندہ سے ہو کر نظریں جھکا لیں۔

.....O.....

جذبہ دل

کہنے کو تو چھوٹی دلہن کے ہاں پہلوٹی کی لڑکی ہوئی۔ مگر جس نے بھی دیکھا یہی کہا کہ کیسی چاندسی بیٹی ہے۔ کسی نے کہا بالکل چینی کی گڑیا ہے اور جب بڑی دلہن یعنی بچی کی تائی اسے دیکھنے آئیں تو وہ بچی اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے لگی۔ دودھ جیسی سفید رنگت پر کالی کالی آنکھیں تائی تو اسے دیکھ کر جیسے اس پر مرمٹیں بولیں ''ماشاءاللہ خدا نظر بد سے بچائے'' اور فوراً مٹھائی کا ڈبہ کھول کر جو وہ اپنے ساتھ لائی تھیں اس میں سے ایک قلاقند کا دانہ چھوٹی دلہن کے منہ میں دے کر بولیں

''منہ میٹھا کرو ذکیہ! یہ تمہاری بیٹی میں نے اپنے نادر کے لئے مانگ لی ہے آج سے یہ میری ہے ابھی یہ بات صرف تمہارے اور میرے درمیان ہے۔ جب بچے بڑے ہوں گے تو اعلان کردیں گے'' ذکیہ یہ بات سن کر مسکرادیں مگر خاموش رہیں مگر اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھوں کے سامنے نادر کا سرخ وسفید معصوم چہرہ گھوم گیا اور اس کی پیاری شرارتیں جس وقت وہ آتا چچی چچی کہہ کر اس کی ٹانگوں میں لپٹ جاتا چچی بھی اس کو طرح طرح کی ٹافیاں اور چاکلیٹ کھانے کو دیتیں اور خوب لاڈ کرتیں۔ اس

عائشہ کو دیکھ کر تہیہ کر چکی تھیں کہ وہ اپنے بھانجے ماجد کے لئے عائشہ کو اپنانے کی ہر ممکن کوشش کریں گی۔ آخر ایک دن موقع پا کر انہوں نے ذکیہ سے کہہ ہی دیا کہ

''آج میں تمہارے لئے ایک بڑی خوشخبری لائی ہوں۔ ایک لڑکا امریکہ سے آیا ہوا ہے اس کے لئے لڑکیوں کی تو کوئی کمی نہیں۔ ہر شخص اپنی لڑکی دینے کو تیار ہے مگر میں نے سوچا کہ اس کے شایان شان تو تمہاری لڑکی عائشہ ہی ہوسکتی ہے۔ اگر تم چاہو تو میں یہ کام کروا سکتی ہوں۔''

ذکیہ نے جواب دیا ''ارے تمہیں معلوم ہی نہیں اس کا تو رشتہ خاندان میں بہت پہلے طے ہو چکا ہے۔''

ان خاتون نے فوراً ہی جواب دیا ''تمہارے خاندان میں! کیا دقیانوسی باتیں کرتی ہو آج کل کون خاندان میں شادی کرنا پسند کرتا ہے۔ نہ کوئی عزت نہ کوئی قدر۔ ڈاکٹری نقطہ نظر سے بھی خاندان میں شادیاں کرنا ٹھیک نہیں آج کل تو لڑکی والے امریکن لڑکے کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جو ان کی لڑکی کو امریکہ لے جائے یہ لڑکا جس کی میں بات کر رہی ہوں۔ نیویارک میں کام کرتا ہے دیکھنے میں بھی اچھا ہینڈسم ہے لوگ عائشہ کی قسمت پر رشک کریں گے سوچ لو اگر وقت نکل گیا تو پھر ایسے موقع بار بار نہیں آتے۔''

ذکیہ نے اپنے خاندانی رشتہ کا اور اپنے کئے ہوئے وعدے کا بھی ذکر کیا مگر اس عورت نے انہیں ایسا شیشے میں اتارا کہ کسی کی کچھ بن نہ پڑی بس ہونے والی بات شاید رشتہ عرش پر ہی طے ہوتا ہے۔

ذکیہ اپنے سب پرانے پیارے رشتوں کو توڑ کر نیا رشتہ جوڑنے پر تیار ہو بیٹھیں اور چھپ چھپاتے نکاح کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ جب یہ خبر عائشہ بیچاری کو پہنچی تو جیسے اس پر بجلی بن کر گری۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کے ارمانوں کا وہ سرسبز و شاداب پودا جل

صبر آجائے گا۔ لوگ وجہ کیا بتاتے خود شرمندہ تھے اور کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ تھے۔

ذکیہ نے اپنی اکلوتی بیٹی کو دل کھول کر اپنا بھاری زیور اور نئے زیورات جو اس کے لئے خریدے تھے جہیز میں دیئے اور باپ نے امریکہ میں گھر کا تمام سامان خریدنے کے لئے بڑی بھاری رقم داماد کو دی اور اس طرح اپنے دل کے ٹکڑے کو ایک اجنبی کے ہاتھوں دیارِ غیر روانہ کر دیا۔

عائشہ امریکہ پہنچی تو اس نے دیکھا کہ یہاں کی زندگی بھی عجیب زندگی ہے ماجد کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ کبھی اس کے پاس بیٹھے اس سے محبت سے باتیں کرے اس کے دلی جذبات یا خیالات جاننے کی کوشش کرے اگر کبھی بات بھی ہوتی تو صرف اس موضوع پر کہ عائشہ کوئی نوکری کرنے کی کوشش کرے کیونکہ یہاں پر جب تک دونوں میاں بیوی نوکری نہ کریں معیار زندگی بہتر نہیں ہوسکتا ماجد کے کام کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ دن اور رات کا کچھ پتہ نہ ہوتا وہ سو رہی ہوتی تو ماجد گھر آتا وہ صبح اٹھتی تو کبھی وہ سو رہا ہوتا اور کبھی غائب وہ یہ معلوم کئے بغیر کہ ماجد کہاں ہے اپنے گھر کے کام میں لگ جاتی کھانا پکاتی باورچی خانے اور غسلخانے کی صفائی کرتی اس کے بعد وقت بچتا تو لانڈری کرتی اسی طرح تمام دن گزر جاتا عائشہ کبھی محسوس کرتی کہ جیسے وہ ایک چڑیا ہے جو ایک پنجرے میں بند ہے نہ وہ کھانے کی طرف دیکھتی ہے نہ پانی کی طرف اگر وہ اڑنا چاہے تو سلاخوں سے ٹکرا کر خود زخمی تو ہوسکتی ہے اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں۔ آخر کار وہیں تھک ہار کر سلاخوں سے سر ٹیک کر بیٹھ جاتی ہے لاچار و بے بس۔

ایک رات عائشہ بے خبر سو رہی تھی ماجد کام پر گیا ہوا تھا ایک کھٹکے سے عائشہ کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ ایک آدمی منہ پر کالا کپڑا لپیٹے ہاتھ میں گن لئے کھڑکی سے اندر داخل ہوا ہے ڈر کے مارے اس کی آواز بھی نہ نکل سکی وہ دم سادھے پڑی رہی وہ

اکثر دیکھا گیا ہے یہ دونوں مل کر کوئی بزنس کرنا چاہتے تھے تم سے شادی کا مقصد صرف پیسہ حاصل کرنا تھا اور کچھ نہیں۔ اب تم اپنے گھر جاؤ ماجد کو تو اس کے کئے کی سزا ضرور ملے گی۔''

گھر واپس آ کر وہ اندھیروں میں کھو گئی ہر طرف اس کے سامنے اندھیرا تھا اب وہ کیا کرے کہاں جائے۔ کیا میں اب اس شخص کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہوں جو اپنے ہی گھر ڈاکہ ڈالے۔ کیا وہ شریک حیات بن سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں کیا اب میں واپس اپنے گھر جاؤں اپنے والدین کو رلانے اور تڑپانے کے لئے۔ نہیں اب میں گمنامی کی زندگی گزاروں گی اس نے فیصلہ کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے وہ روتے روتے سو گئی اس نے دیکھا کہ تپتے ہوئے لق ودق صحرا میں وہ اکیلی کھڑی ہے بگولوں نے اسے آگھیرا ہے۔ پیاس کے مارے حلق میں کانٹے اور پاؤں میں آبلے پڑ گئے ہیں بگولوں میں اس کا دم گھٹ رہا ہے۔ کہیں نکلنے کا راستہ نہیں ملتا.....اتنے میں فون کی گھنٹی سے اس کی آنکھ کھلتی ہے وہ ریسیور کان سے لگاتی ہے دوسری طرف سے آواز آتی ہے۔

''عائشہ'' یہ کس کی آواز ہے کون بول رہا ہے۔ میں کون ہوں کہاں ہوں عائشہ نے بے ربط جملے ادا کئے میں ''میں نادر ہوں عائشہ تم کسی قسم کی فکر نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں مجھے اپنے دوست سے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے جو ماجد کے دفتر میں کام کرتا ہے میں تمہارے بہت قریب ہوں ہمیشہ سے اور ہمیشہ رہوں گا یہ آواز اور کلمات سن کر عائشہ کو محسوس ہوا جیسے بگولے چھٹ گئے ہیں مطلع صاف ہو گیا ہے اور نادر کا معصوم چہرہ صاف دکھائی دینے لگا ہے۔ عائشہ نے محسوس کیا دشتِ مرگ میں اس کے زخمی دل پر کسی نے پیار کا ٹھنڈا اور نرم پھایا رکھ دیا ہو۔

.....O.....

دھوپ چھاؤں

جیسے ہی میں بازار سے واپسی پر مکان میں داخل ہوئی۔ ایک آواز میرے کان میں پڑی کوئی میرا نام بگاڑ کر مجھے پکار رہا تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اچھل پڑی۔ ایک بوڑھی عورت کی آنکھیں عینک میں سے مجھے گھور رہی تھیں، اس عورت کو اکثر میں نے بے مقصد اپنے گھر کے چکر کاٹتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کی ہئیت کزائی دیکھ کر ہمیشہ گھر کے دروازے بند کر لئے تھے۔ میں اس عورت سے اس طرح ڈرتی تھی جس طرح بچے اپنی کہانیوں کی چڑیل سے ڈرتے ہیں۔

مگر آج اس چڑیل نے مجھے پکڑ ہی لیا۔ ننگے سر ننگے پاؤں، الجھے اور دھول میں اٹے بال جا بجا پیوند لگے کپڑے۔ تنگ پائجامے کا ایک پائنچا نیچا اور دوسرا اوپر چڑھا ہوا لیکن سب سے زیادہ خوف زدہ کر دینے والی اس کی وہ عینک تھی جس کی ایک کمانی مکمل غائب تھی اور اس کی جگہ ایک میلی چکٹ دھجی کو باندھ کر اس نے کان کے گرد لپیٹ لیا تھا۔ موٹے موٹے عینک کے شیشوں میں سے اس کی آنکھیں مجھے اپنے جسم میں چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں میں نے خود کو سنبھالا اور کڑک کر پوچھا۔

بازیاں جمتیں چائے کے دور چلتے اور آدھی رات سے پہلے کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اتوار کا تمام دن کیرم اور بیڈمنٹن کے میچوں کی نظر ہو جاتا امی کبھی کبھار ابا کے دوستوں سے تنگ آ کر شام کے وقت اسٹیشن ماسٹر کے گھر چلی جاتیں۔ وہاں سب کی بیویاں جمع ہو جاتیں۔ پلنگوں پر سفید چادریں بچھی ہوتیں اسٹیشن ماسٹر کی بیوی سونے میں پیلی نظر آتیں وہ ہم لوگوں کی خوب خاطر مدارات کرتیں اور گھنٹوں اپنی اور اپنے میکے کی امارت کے قصے امی کو سنایا کرتیں۔ بڑا سا گول پاندان تخت پر رکھا ہوتا پان بناتی جاتیں اور کہتی جاتیں۔

''بھئی میں تو جب گھر میں ایک بوری چھالیہ کی رہ جاتی ہے تو اسٹیشن ماسٹر صاحب سے کہہ دیتی ہوں کہ گھر میں دانہ نہیں ہے چھالیہ کا۔

وہ کہتے ہیں کہ بس آج کی مال گاڑی کے ڈبے میں تمہارے پاندان کا سامان ہی آ رہا ہے۔

وہاں موجود دوسری بیویاں بڑی مرعوب ہو جاتیں۔

مردوں کے قہقہے ہمارے گھر سے یہاں تک سنائی دیتے تو سب عورتیں ہمارے ابا ہی کو موردِ الزام ٹھہراتیں کہ جب سے قادری صاحب اس اسٹیشن پر آئے ہیں یہ کھیل تماشے ہونے لگے ہیں۔ امی بیچاری خاموش بیٹھی یہ سب سنا کرتیں اسٹیشن ماسٹر کی دونوں لڑکیاں روشنی، چاندنی میری ہم عمر تھیں ہم تینوں ساتھ ساتھ کھیلتے ہر وقت ساتھ رہتے مگر پڑھتے وقت وہ میرا ساتھ نہ دیتیں اکثر ان کی ماں کہا کرتیں۔

''کہ ہمارے یہاں لڑکیوں کو پڑھایا نہیں جاتا۔ قادری صاحب تو اپنی بیٹیوں سے نوکری کروائیں گے اسی لئے انہیں اسکول بھیجتے ہیں اور گھر پر ماسٹر پڑھانے آتے ہیں۔ امی اس بات کا ایک ہی جواب دیتیں۔

''کہ ہمارے ہاں لڑکی اور لڑکے میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا اس لئے جتنی

گئی بہت روئیں پیٹیں اسٹیشن ماسٹر نے ہر طرف سپاہی دوڑائے مگر زیورات کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ عارضی دولت کھوگئی، جس کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی بھی ختم ہوگئی۔

''اچھا میں جارہی ہوں، تم تو کچھ بات ہی نہیں کرتیں۔ میں تمہارے پاس کوئی بھیک مانگنے نہیں آئی تھی۔''

میں نے اسے روکنا چاہا کچھ کہنا چاہا مگر نہ معلوم کیوں ایسا نہ کرسکی۔

''سچ کہا ہے کسی نے کہ غربت میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے'' یہ کہتے ہوئے وہ عورت اٹھ کھڑی ہوئی میرے دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی کہ قدرت کے اتنے تلخ مذاق کو وہ کیسے سہہ گئی۔ سوچا تھا اس سے پوچھتی کہ اسٹیشن ماسٹر کہاں چلے گئے انہیں اکیلا چھوڑ کر۔ ہوسکتا ہے حصول پاکستان میں کام آگئے ہوں میں سوچنے لگی روشنی کا کیا بنا؟.....شاید وہی جو انقلاب میں سینکڑوں کے ساتھ ہوا۔ اور چاندنی کی شادی ایک چپراسی کے ساتھ ہوئی۔ کیوں؟ کیا اسے صرف یہی مل سکا تھا ہاں افراتفری کے عالم میں کسی شریف آدمی کا ہاتھ آجانا ہی بڑی بات ہے، میں دل سے جھگڑتی رہی۔ مگر یہ تو بہت بداخلاقی کی بات ہوگی چاندنی کو بلانا چاہئے ایسی بھی کیا بے رخی مگر کس لئے؟ میں اس سے کیا بات کروں گی۔ دل نے پوچھا کیا تم اسے شرمندہ کرنا چاہتی ہو اس کا میاں سارا دن تمہارے میاں کی جی حضوری میں لگا رہتا ہے کیا چاندنی سے مل کر اسے تمام پچھلی باتیں یاد دلا کر اس کی غربت کا مذاق اڑانا چاہتی ہو تو اڑالو۔ کیا اسے اپنے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اپنے قیمتی قالین اور نفیس پردوں کا رعب ڈالنا چاہتی ہو، میں نے زچ ہوکر ایک بار پھر دل کو زیر کرنا چاہا یہ کیسے ممکن ہے کہ برسوں کی بچھڑی ہوئی آج میرے قریب ہے تو میں اس سے نہ ملوں اس سے کچھ دریافت نہ کروں بچپن کے قصے نہ سناؤں، نہ سنوں اس سے نہ پوچھوں کہ اس پر کیا گزری اس کے غم میں شریک نہ ہوں۔

نَے چراغِ نَے گُلے

روبینہ نے تمام رات بسترِ مرگ پر پڑی مریضہ کے سرہانے بیٹھ کر گزار دی تھی۔ ڈاکٹر جواب دے کر جا چکا تھا صرف ایک ہدایت دے گیا تھا کہ جب تک وہ زندہ ہیں ان کی پیشانی پر یوڈی کلون کی پٹیاں رکھتے رہیں سب گھر والے ماں، بہن اور بھائی مریضہ کے کمرے سے دور جا کر آہ و بکا میں مصروف تھے ہلکی ہلکی سسکیوں اور آہوں کی آوازیں وہاں تک پہنچ رہی تھیں۔ اتنے میں روبینہ کے کانوں میں بڑے ابا کی رقت آمیز آواز سنائی دی۔

''پروردگار تو تو تنکے میں بھی جان ڈال دیتا ہے میری بیٹی عائشہ کو نئی زندگی عطا کر، تو بڑا کارساز ہے ہمارے اوپر رحم فرما''

روبینہ نے کمرے سے باہر نکل کر دیکھا بڑے ابا کے لرزتے ہوئے بوڑھے ہاتھ آسمان کی طرف دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہیں اور چہرہ تمام آنسوؤں سے تر ہے۔ روبینہ سے یہ دلخراش منظر نہ دیکھا گیا صبح کاذب کا وقت تھا پو پھٹنے والی تھی روبینہ نے آسمان پر صبح کا آخری ستارہ جھلملاتا ہوا دیکھا اور جب وہ دوبارہ عائشہ کے کمرے میں پہنچی تو عائشہ کی روح اپنے خالق حقیقی سے جا ملی تھی۔ روبینہ کے آنسو خشک ہو چکے تھے مگر

داخلہ مل سکتا ہے ایک دن عاشی اور بینا سنگ مرمر کے حوض پر بیٹھی سر جوڑے کوئی معمہ حل کر رہی تھیں۔ حوض گھر کے بڑے صحن کے درمیان واقع تھا اتنے میں پیچھے سے ''اسلام علیکم'' کی آواز آئی۔ دونوں نے بغیر نظریں اٹھائے سلام کا جواب دے دیا اور اپنے کام میں مشغول رہیں۔

''آپ دونوں اپنا معمہ بعد میں حل کریں پہلے ہمارا یہ معمہ حل کر دیجئے کہ آپ دونوں میں عائشہ کون ہیں'' آنے والے نے دریافت کیا۔ دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ

''یہ عائشہ ہیں'' اور دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

''بھئی ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے معلوم کریں ہمایوں نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا''

''پوچھتے ہیں وہ کہ عاشی کون ہے
آپ بتلائیں کہ ہم بتلائیں کیا؟''

عائشہ آپا نے بھرپور ان کی آنکھوں میں نگاہیں ڈالتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔ اس سے پہلے کہ ہمایوں کچھ کہتے بینا درمیان میں بول پڑی۔

''مگر آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے اپنا بھی تو کچھ نام ونشان بتایئے۔''

''ہم عائشہ کے اتالیق مقرر ہوئے ہیں اور نام ہے ہمارا ہمایوں'' اب آپ کیا کہتی ہیں ہمایوں نے بینا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اچھا ذرا دیکھیں تو آپ کو، آپ کیا پڑھائیں گے انہیں وہ تو خود اتنی پڑھی ہوئی ہیں کہ آپ کو بھی پڑھا دیں گی'' بینا نے مذاق میں کہا۔

''بس اب ہمیں یہ تو معلوم ہو گیا کہ آپ عائشہ نہیں مگر اپنا تعارف بھی تو کروا دیجئے'' ہمایوں نے بینا سے پوچھا۔

چاند سے چہرے کو چھپا لیتے اور وہ اپنی خوبصورت آواز میں یہ غزل گاتیں۔

بار بار آتی ہے گھر گھر کر جو قصرِ یار پر..... بن گئی ہے کیا کسی کی چاہنے والی گھٹا اور ایک دن واقعی بادل چھا گئے اور بوندیں پڑنی شروع ہو گئیں سب بھاگتے بھیگتے ہنستے کھیلتے گھر کو بھاگے راستے میں پھسلنے کے ڈر سے سب نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لئے، ہمایوں نے کئی مرتبہ بینا کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر وہ اس راستے کو ہی کاٹ جاتی، ہمایوں اگر بینا سے کوئی ہنسی مذاق کی بات کرتے تو وہ سنی ان سنی کر دیتی۔ اسے معلوم تھا کہ ہمایوں اب عائشہ آپا کے ہیں ان کے درمیان میں آنا امانت میں خیانت کے مصداق ہے فلم دیکھتے وقت بھی ہمایوں ہمیشہ بینا کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھنے کا موقع نکال لیتے۔ بینا ان سے بیگانہ بنی مووی دیکھتی رہتی مگر اسے یہ احساس ہوتا کہ ہمایوں کی نظریں اس کے چہرے پر گڑی ہیں شدت احساس سے اس کو پسینہ سا آنے لگتا۔ اس کا دل چاہتا کہ وہ وہاں سے اٹھ کر بھاگ جائے..... ایک دن ہمایوں کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''بینا تم کیوں مجھ سے دور بھاگتی ہو تم تو ہر وقت میرے خیال و خواب میں بسی ہوئی ہو کیا تم تک میری رسائی ممکن نہیں میں تمہیں اپنا دل کیسے دکھاؤں؟ بینا تمہاری ایک ہاں سے میری تشنہ روح سیراب ہو سکتی ہے'' بینا خاموش رہی ''کوئی جواب دو کچھ تو بولو'' ہمایوں نے کہا۔

''جو آپ چاہتے ہیں ایسا ممکن نہیں، یہ ہو نہیں سکتا۔ اس لئے آپ خدارا ان کے ہو جائیے جو آپ کو بے پناہ چاہتی ہیں بلکہ دیوانگی کی حد تک پرستش کرتی ہیں۔'' بینا نے جواب دیا۔

''میرا بھی بالکل یہی جواب ہے جو تم نے دیا ہے میں عاشی کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتا۔ یہ ان کے ساتھ زیادتی ہو گی'' ہمایوں نے جواب دیا۔

بینا نے یہ سن کر کچھ جواب نہ دیا اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی کمرے میں پہنچ

یہ کہہ کر عاشی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کمرے میں جالیٹی۔ پھر بینا ان کے کمرے میں جانے کی ہمت نہ کرسکی۔

حالانکہ ہمایوں عاشی کو روز پڑھانے آتے تھے۔ مگر عاشی لاکھ کوشش کے باوجود ان سے کچھ نہ کہہ سکی، کیا کہے، کس طرح کہے، کئی بار اس کے ہونٹوں پر الفاظ آئے مگر وہ انہیں ادا نہ کرسکی۔ آخر کار ایک دن اس نے ایک چھوٹا سا خط لکھ کر ہمایوں کے سامنے میز پر رکھ دیا اس سے بہتر اظہار کا طریقہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ زبان اس کا ساتھ نہ دے سکی ہمایوں نے وہ پرچہ اٹھایا پڑھا ایک بھرپور نظر الفت اس پر ڈالی۔ اور کہنے لگے۔

عاشی تم بہت اچھی ہو اتنی اچھی کہ کوئی خوش قسمت آدمی ہوگا جو تمہارا ہاتھ تھامے گا ،مگر میں تمہارے قابل نہیں میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں اور تمہیں دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا میں تمہاری بہت قدر کرتا ہوں عائشہ اور تمہیں ہمیشہ ہمیشہ یاد رکھوں گا تم جیسی خوبصورت اور فرشتہ سیرت لڑکی سے کوئی جھوٹا وعدہ کرکے میں خود اپنی نظروں میں گر جاؤں گا۔ تم مجھے معاف کردینا۔

عاشی یہ کہہ کر ہمایوں اٹھ کھڑے ہوئے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے باہر نکل گئے ہمایوں کا ایک ایک لفظ عائشہ کے دل میں تیر کی طرح اتر گیا وہ بجھ سی گئی اس کا شگفتہ چہرہ کملا گیا اور وہ مری ہوئی آواز میں خود سے بولی۔ چلو اچھا ہوا جلدی ہی قصہ ختم ہوگیا۔ اس کے بعد عائشہ اپنی پڑھائی میں لگ گئی امتحان قریب تھے اب کھیل کود، ٹہلنا پارک کا جانا سب ختم ہوگیا سب پڑھنے والے اپنے امتحان کی تیاری میں جٹ گئے بینا بھی اب بایدو شاید ہی عاشی کے کمرے میں جاتی بلکہ جاتے ہوئے کتراتی۔ وہ بخوبی جانتی تھی کہ آج کل عاشی کے دل پر کیا گزر رہی ہے عاشی کے امتحان شروع ہوچکے تھے ایک دن وہ پرچہ دے کر واپس آئی تو بینا کو بلا بھیجا بینا نے جاکر احوال پوچھا تو عاشی نے کہا۔

نہ گلستاں میں چہل پہل ہے.....نہ اب ہیں وہ مہمانِ محفل

بینا نے عاشی کی میز پر سے صرف اس کی ڈائری اٹھائی اور بطور یادگار اپنے پاس رکھ لی۔ کیونکہ اس ڈائری میں عائشہ کے تمام راز آشکارہ تھے ڈائری میں عاشی کے لکھے ہوئے آخری الفاظ شعر کی صورت میں تھے۔

''زندگی تیری رفاقت نہ ملی.....آئینہ دیکھا تو صورت نہ ملی

آج کھولا ہے درِ خانہ دل.....کوئی بھی چیز سلامت نہ ملی''

بینا آنسو بہاتی ہوئی اپنے کمرے میں آکر اپنی Packing کرنے لگی۔ کالج بند ہو چکے تھے، اب وہ اپنے گھر واپس جانے کی تیاری کرنے لگی۔ دوسرے دن بڑے ابا بینا سے کہنے لگے۔

''آج کالج جا کر عائشہ کا رزلٹ دیکھ آنا، سنا ہے بورڈ پر لگا دیا گیا ہے'' بینا نے کالج جا کر دیکھا بورڈ کے Top پر فرسٹ ڈویژن میں عائشہ کا نمبر تھا۔ بینا کے چہرے پر ایک اداس مسکراہٹ پھیلی اور ایک آہ کے ساتھ ختم ہوگئی، وہ جانے کے لئے پلٹی تو ہمایوں سے ٹکراتے ہوئے بال بال بچی۔

عائشہ واقعی بہت Genius تھیں۔ ہمایوں نے کہا اور ساتھ ہی بینا سے لائبریری میں تھوڑی دیر بیٹھنے کی درخواست کی۔ بینا بلا چوں و چرا ہمایوں کے ساتھ ہو لی لائبریری میں بیٹھ کر پہلے بینا نے ہی بات شروع کی اور آج پہلی مرتبہ ہمایوں سے ''تم'' سے مخاطب ہوئی'' تم جب سے کہاں غائب تھے عاشی کو کندھا دینے تو آجاتے۔''

''میں ان کا مجرم تھا ان کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ اپنی زندگی میں نہ زندگی کے بعد'' ہمایوں نے جواب دیا مگر اب میرا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

میں اپنا فیصلہ بہت پہلے سنا چکی ہوں تم کیا سمجھتے ہو کہ اب راستہ صاف ہے۔ تو میں تم سے شادی کر لوں گی کیا میں اپنی بہن کی قبر پر اپنا شیش محل بنا لوں؟ تم نے اتنی اچھی لڑکی کو ٹھکرا دیا اسے خاک میں ملا دیا مگر تمہیں کیا تم لوگ تو ہمیشہ اس چیز کی طرف

ماحصل

فون کی گھنٹی بجی سارا نے لپک کر فون اٹھایا اس کے میاں سلیم کا فون تھا۔ کہ وہ آج اپنے ایک پرانے دوست کے ساتھ گھر آ رہا ہے کھانے کا انتظام کر لینا۔ سارا نے پوچھا بھی کون سا دوست، کیا نام ہے اس کا مگر سلیم نے صرف یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ تم نہیں جانتی۔

سارا نے سوچا یہ کون ہو سکتا ہے نئے پرانے سب دوستوں کو تو وہ جانتی تھی اور پرانے دوستوں کا بھی سلیم ہزاروں مرتبہ ذکر کر چکا تھا۔ لگتا تھا کہ جیسے وہ ان سے مل چکی ہو خیر ہوگا کوئی جب سامنے آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ تھوڑی دیر بعد ہی سلیم ایک نہایت خوبصورت اسمارٹ سی عورت کے ساتھ گھر میں داخل ہوا۔ سارا سلیم کی طرف دیکھنے لگی کہ وہ اس عورت کا تعارف کروائے مگر وہ اپنا تعارف خود ہی کرواتے ہوئے کہنے لگی۔

''مجھے تابندہ کہتے ہیں سلیم اور میں ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے تھے دراصل میں دیارک سیر کی غرض سے آئی ہوں۔''

''یہی تو میری مشکل ہے سارا نے ذرا ناگواری سے کہا کہ ہاں مجھے کل ایک دوسری لڑکی کی جگہ کام پر جانا ہے اس نے مجھ سے بہت دن پہلے ہی وعدہ لے لیا تھا۔''

اس کے بعد سارا کچن کی صفائی میں لگ گئی تابندہ بھی Dish Washer میں برتن لگانے میں مدد کرنے لگی، سارا کے دل میں بہت دیر سے ایک سوال اٹھ رہا تھا اس وقت فوراً اس کے منہ پر آ گیا اور وہ اچانک تابندہ سے یہ سوال کر بیٹھی ''کہ تم نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی۔''

اس لئے کہ میں شادی میں Believe نہیں کرتی۔ کیا شادی کر کے کوئی تمام عمر خوش رہ سکتا ہے انسان کو اگر زندگی میں اس کا کوئی اپنا مل جائے وہ زندگی کا ایک دن ہو ایک گھنٹہ یا ایک پل وہی ایک پل اس کی زندگی کا ماحصل بن جاتا ہے۔''

''مگر ازدواجی زندگی کی بات ہی کچھ اور ہے'' سارا نے جھٹ سے کہا۔

''تم کیا سمجھتی ہو کیا تم اپنی شادی سے بہت خوش ہو تابندہ نے پوچھا۔''

''ہاں بہت خوش'' سارا نے جواب دیا۔

''تم نے کبھی سلیم سے پوچھا کہ یونیورسٹی میں کتنی لڑکیوں سے اس کی دوستی تھی تم سے شادی کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ Content ہے'' تابندہ نے کہا۔

'' کالج اور یونیورسٹی میں تو لڑکے ایسا کرتے ہی ہیں وہ Sincere تھوڑی ہوتے ہیں۔''

خیر تم خوش خیالی میں رہو، میں تو مردوں کو باوفا کہہ ہی نہیں سکتی ان کی ذات ہی بدنام ہے'' یہ کہہ کر تابندہ نے بڑی سی جمائی لی اور اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔

سارا نے جلدی جلدی سب کام ختم کیا اور بستر پر جا لیٹی۔ نیند اڑ سی گئی بس سوتی جاگتی رہی ٹھیک ساڑھے پانچ بجے سارا اٹھ بیٹھی بڑی خاموشی سے Job پر جانے کی تیاری کر کے وہ گھر سے نکلنے کو تھی کہ اس نے تابندہ کو بھی اٹھا ہوا دیکھا ارے اتنی جلدی

اورلڑکیاں پھولوں کی کیاریوں کے نزدیک اور زندگی کے کتنے قریب نظر آتے ہیں سارا کو پھر تابندہ یاد آ گئی وہ تو ہے بھی بہت خوبصورت اور پھر اس کی لن ترانیاں مگر سلیم کو اس قسم کی عورت پسند نہیں مگر یہ عورت تو پتھر کو بھی پگھلا دے پھر سارا کو خود ہی اپنے اوپر غصہ آنے لگا'' مجھے ایسی کیا مار پڑی تھی Job پر آنے کی کسی اور لڑکی کو فون کر دیتی، میں خواہ مخواہ سب سے اچھی بننے میں لگی رہتی ہوں۔ اگر آج نہیں آتی تو کونسی قیامت آ جاتی بس اس کے بعد وہ اکھڑ سی گئی تین بجے وہ دفتر سے نکلی تو بہت تھکی ہوئی بلکہ ذہن اس سے بھی زیادہ تھکا ہوا۔ تابندہ کا جہاز تو پانچ بجے اڑنے والا ہے ابھی تو سلیم کو پہنچنے میں بہت دیر ہے تھکے تھکے قدموں سے گھر پہنچ کر جب اس نے دروازہ کھولا تو ایک نئی تیز خوشبو نے اس کے احساس کو جگا ڈالا کمرے میں پہنچ کر ہر چیز اس کو غیر معمولی سی لگی واشنگ مشین میں کپڑے دھل چکے تھے وہ کچن میں آ کر کھانے کی میز پر سر پکڑ کر بیٹھ گئی پھر اسے خیال آیا کہ کل گاربیج جائے گا تو اسے اکٹھا کر لیا جائے سب سے پہلے جب اس نے باتھ روم کا بیگ نکالا تو وہ اسے بھاری لگا یہ اتنا بھاری کیوں؟ شاید غلطی سے کوئی کام کی چیز تو اس میں نہیں گر پڑی اسے کھول کر دیکھا تو اس میں ایک چھوٹی تولیہ نظر آئی ارے یہ اتنی خوبصورت نئی تولیہ اس میں کیوں ڈال دی۔ سارا نے اسے نکالنا چاہا تو ایک نہ معلوم احساس اس کے دماغ میں سرایت کر گیا اس کا ہاتھ وہیں ٹھہر گیا۔

سارا کے دل میں اک آگ سی دھکنے لگی۔ عجیب سے خیالات نے اس کے دماغ کو پراگندہ کر دیا اس نے گاربیج کا بیگ وہیں چھوڑا اور غصہ میں کپکپاتی ہوئی وہاں سے چلی آئی اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے وہ آ کر صوفے پر لیٹ گئی اب اسے تابندہ کی وہ باتیں یاد آنے لگیں جو پچھلی رات اس سے ہوئی تھیں۔

میں تو شادی میں ہی Believe نہیں کرتی، اگر مجھے کوئی اپنا مل جائے چاہے وہ ایکدن ایک گھنٹہ یا ایک پل کے لئے ہو وہی میری زندگی کا ماحصل ہے۔

سالگرہ

ایک دن چوکیدار فضل بوکھلایا ہوا سا گھر میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا خوبصورت گلدستہ ایک چاکلیٹ کا ڈبہ اور ایک کارڈ تھا۔ وہ سب چیزیں میز پر رکھ کر بولا کہ۔

''یہ سب کرن باجی کے لئے کسی نے بھیجی ہیں۔''

لکھا تھا'' پیاری کرن کے لئے سالگرہ کا تحفہ اور نیچے نام لکھا تھا۔ تمہارا آصف''

می نے فوراً پڑھ کر کہا کہ'' یا اللہ یہ کون آصف نکل آیا یہاں؟ اس سے پہلے تو کبھی اس کا نام نہیں سنا۔''

وہ ایک دم پریشان ہوگئیں اور میاں سے بولیں'' آپ تو بس اخبار پڑھے جایئے یکھتے نہیں دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔''

میاں نے اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر کہا'' کیا میں دنیا کا ذمہ دار ہوں۔''

تو پھر اخبار تو ایسے پڑھتے ہیں کہ جیسے ساری ذمہ داری آپ ہی نے اٹھائی ہوئی ہے اگر ایک دن اخبار نہ پڑھا تو جیسے قیامت آجائے گی۔''

کہاں ٹھکانے لگا دیا۔ آج رات انہوں نے اپنا پسندیدہ ڈرامہ بھی نہیں دیکھا اور جلدی ہی جا کر اپنے کمرے میں لیٹ گئیں میاں نے کہا بھی کہ ''ڈرامہ تو دیکھ لو'' وہ جھٹ سے بولیں۔

''اور بہت سے ڈرامے بھی تو دیکھ رہی ہوں'' وہ ابھی لیٹی ہوئی سوچوں میں گم تھیں کہ دروازہ کھٹکھٹا کر کرن نے پوچھا۔

''امی میری سالگرہ پر عارف نے پھول اور کارڈ بھیجے تھے کیا وہ Gift آج ملا؟ ان کا فون آیا ہے وہ پوچھ رہے ہیں۔''

امی ایک دم پھر گھبرا گئیں اور منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں ''عارف نے بھیجا تھا؟ نام تو اس پر آصف لکھا تھا۔''

''یہ غلطی پھول بھیجنے والی کمپنی کی ہوگی امی ''فرق بھی تو صرف راورص کا ہے عارف اور آصف میں'' کرن نے جواب دیا۔

.....O.....

جال

باورچی خانے میں کھڑ بڑ کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ صبح ہو چکی تھی شمسی دفتر جا چکے تھے مگر پھر بھی میرا دل بستر سے اٹھنے کو نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ رات ہی دو مہینے بعد پاکستان سے واپس نیویارک آئی تھی، سفر کی تکان باقی تھی، چاہتی تھی کہ ابھی ذرا دیر اور لیٹی رہوں۔ مگر آج اتنی صبح کچن میں کون ہے کام کرنے والی تو ناشتے کے بعد آتی ہے، یہ سوچ کر بادلِ نخواستہ اٹھی جا کر دیکھا کہ Maid جھپا جھپ برتن دھو کر رکھ رہی ہے۔

''ارے تو ایما! آج اتنی جلدی کیوں آئی ہے؟ اور تیری ماں کہاں ہے'' میں نے پوچھا۔

''ماں بیمار ہے خاور نے بولا تھا کہ آپ آنے والی ہیں اس لئے میں جلدی آ گئی کل گھر بھی صاف کر گئی تھی۔ اور خاور نے بولا تھا کہ کھانا بھی بہت اچھا پکانا، آپ کو پسند آیا؟۔''

''ہاں بہت اچھا تھا'' میں نے خوش ہو کر کہا اچانک میرے دل میں ایک خیال

ہوتے۔ وہ نہا دھو کر نماز باقاعدہ پڑھتے مگر دن بھر میں صرف یہ ایک ہی بے وقت کی نماز ہوتی، اس کے بعد ناشتہ کر کے دروازے کو باہر سے مقفل کر کے دفتر چلے جاتے۔ مگر اندر سے ان کے کمرے میں جانے کا دروازہ کھلا رہتا۔ اس وقت ان کے کمرے کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، نہا کر بدن پونچھا ہوا گیلا چوڑا تولیہ ہمیشہ ان کے بیڈ پر کمبل میں لپٹا ہوا ملتا چائے کے برتن بجائے میز پر کرسیوں پر ہوتے۔ شیو کا سامان بکھرا ہوا، ایش ٹرے لبالب بھری ہوئی نیچے پڑی ہوتی۔ رسالے اور اخبار کمرے میں بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے ملتے غرض ان کے کمرے پر پہلی نظر پڑتے ہی بدن میں ایک جھرجھری سی اٹھتی مگر وہ اللہ کا بندہ بدستور اسی کمرے میں شام کو آ کر اخبار یا کسی رسالے کا مطالعہ اتنی بے فکری سے کرتا جیسے کوئی اپنے سجے سجائے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا پڑھ رہا ہو۔ کوئی آئے کوئی جائے انہیں کبھی اس شرمندگی کا احساس نہ ہوتا کہ ایسے کمرے کو دیکھ کر کوئی ان کے متعلق کیا رائے قائم کرے گا۔ وہ نہایت اطمینان سے اپنے ہر دوست کو وہیں بٹھاتے پالیٹکس ادب شاعری حالات حاضرہ پر بڑی گرما گرم بحثیں ہوتیں، جب کوئی بات باقی نہ بچتی تو غزلوں کے ٹیپ سنے جاتے یا تاشوں کی بازی جمتی۔ جس میں پیسوں سے رمی کھیلی جاتی جو جیتتا وہ دوسرے دن سب کو کھانا کھلاتا اور پکچر دکھاتا۔ شمسی تو شاذ و نادر ہی ان کی محفلوں میں شریک ہوتے مگر بقول ان کے خاور زندہ دل آدمی ہے اور صاحب ذوق اس لئے ان کی ہر بات جیسے تیسے برداشت کی جاتی۔

مگر ان دو ماہ کے عرصہ میں تو جیسے کایا ہی پلٹ گئی آج خاور کے دفتر جانے کے بعد جس نے ان کے کمرے کا جائزہ لیا صاف ستھرے کمرے میں ہر چیز نہایت قرینے اور ترتیب سے اپنی جگہ رکھی ہوئی تھی۔ خاص طور سے ٹیبل کلاتھ اور تکیہ کے غلاف جن پر سرخ پھول اور سبز پتیاں عجب بہار دکھا رہے تھے، مگر اس انقلاب عظیم کی وجہ میری سمجھ

منع کر دیا تھا مگر میں بیوی کا حق ادا کرنے کی خاطر اٹھی کہ صرف چائے ہی بنا دوں، نیند میں آنکھیں بند کئے کچن کی طرف چلی جا رہی تھی کہ اچانک خاور کے کمرے کا دروازہ کھلا اور کسی سے میری ٹکر ہوتے ہوتے بچی اور ساتھ ہی ملی جلی خوشبوؤں کا ایک تیز بھپکا میرے دماغ میں گھس گیا یا الٰہی خیر صبح ہی صبح یہ کس مصیبت کا سامنا ہو گیا۔ دیکھا تو ایما پسینے میں شرابور خوشبوؤں میں بسی خوشی اور شرم میں ڈوبی سامنے کھڑی ہے اور پھر مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی فوراً کچن کی طرف بھاگ گئی۔ ایک بجلی سی میرے دماغ میں کوندی اچھا تو یہ بات تھی روز روشن کی طرح تمام معاملہ صاف ہو گیا یہ دونوں کب سے میری آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ جی میں آیا کہ پیچھے جا کر ایما کے ایک دھول جماؤں مگر مجھے اب اپنے اوپر غصہ آنے لگا اور میں کسی سے کچھ کہے بغیر جب اپنے کمرے میں پہنچی تو شمسی جا چکے تھے میں خود کو برا بھلا کہتی ہوئی دوبارہ بیڈ پر لیٹ گئی اپنے آپ کو بہت عقلمند سمجھتی ہیں سب عقلمندی دھری کی دھری رہ گئی، آپ کا تکیہ کلام ہے، ہر چیز انڈر کنٹرول، یہ ہے آپ کا کنٹرول اب یکے بعد دیگرے پردے میری آنکھوں کے سامنے سے اٹھنے لگے۔

صاف ستھرے کمرے میں روز بدلی ہوئی چادریں گھی میں تر تراتے ہوئے سرخ سرخ پراٹھے فرنچ ٹوسٹ جو ایما خاور کو دفتر جانے سے تھوڑی دیر پہلے گرم گرم پکا کر کھلاتی۔ سر میں تیل ڈال کر گھنٹوں کندھوں اور گردن کو دباتی رہتی، میں یہ سب کچھ دیکھتی مگر خاموش رہتی کیونکہ میرا کام تو وہ ختم کر چکی ہوتی، میں سوچتی کہ چلو خاور کا کام کر رہی ہے تو کیا ہے گھر میں تو ہے، جس وقت جی چاہتا میں اسے آواز دے لیتی، ایما ذرا میل لے آ مجھے ایک کپ کافی بنا دے۔ اور میری یہ کمزوری ہے کہ میں دوسروں کو خوش دیکھ کر خود بھی خوش رہتی ہوں۔ اگر ایما Low neck پہنے کمر کو لچکاتی اٹھلاتی ناگن کی طرح بل کھاتی خاور کے سامنے پھر رہی ہے تو میری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے۔

انہوں نے دوسرا مکان تلاش کرلیا ہے۔

آخر کار پھر وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ ایما نے میرے گھر کا کام چھوڑ دیا اور اب اس کی ماں دوبارہ میرے ہاں کام کرنے لگی میں نے بھی کچھ زیادہ پوچھ گچھ نہیں کی، دن بور سے گزرتے رہے تقریباً تین ماہ بعد ایما کی ماں نے یہ خوش خبری سنائی کہ ایما کے لڑکا ہوا ہے۔

''ارے!'' بے اختیار میرے منہ سے نکلا اس کی ماں نے ایسی نظروں سے مجھے دیکھا جیسے میرے دل کی بات سمجھ گئی ہو۔ میں نے بات بدلنے کی خاطر پوچھا۔

''کیسا ہے بچہ؟'' ''بالکل خاور پر گیا ہے۔'' ایما کی ماں نے جواب دیا۔

خاور کا نام سن کر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے حلق میں کچھ اٹک گیا ہو۔ ایما کی ماں نے بات آگے بڑھائی اور کہا کہ

''میں نے خاور سے کہہ دیا ہے کہ تم پانچ سو ڈالر مجھے دو ورنہ ابھی تو یہ بات صرف ایک ہی گھر میں معلوم ہے پھر یہ خبر یہاں سے نکل کر بہت دور تک پہنچ سکتی ہے۔ اور پھر ظاہر ہے کہ اس کی بدنامی کا باعث ہوگی، کیا وہ پھر کہیں منہ دکھانے کے قابل رہے گا۔''

ایما کی ماں نے بڑے شاطرانہ انداز سے یہ بات کہی۔

میں کشمکش کے عالم میں اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

.....O.....

لیک ٹاہو

25 مارچ 2005ء کو ڈاکٹر آمنہ کا فون آیا وہ مجھ سے کہنے لگیں۔

''کہ تم تو پروگرام بنانے سے رہیں۔ کب سے کہہ رہی ہو کہ آؤں گی، اب تم سنو
ں نے تم دونوں کی بکنگ کروادی ہے۔ 29 مارچ کو تمہاری شکاگو سے روانگی ہے اور
ین ہوزے سے اتوار 10 اپریل کو شکاگو واپسی۔

آمنہ نے مزید کہا میں نے ایک ہفتے کی چھٹی لے لی ہے۔ لیک ٹاہو چلیں گے
ں کیمپنگ کریں گے بڑا مزا آئے گا۔

اب میرے کہنے کو کیا رہ گیا تھا۔ فوراً اچھا کہہ کے فون بند کر دیا، پروگرام کے
طابق ہم 29 مارچ کو 3 بجے دوپہر شکاگو سے ساؤتھ ویسٹ میں سیکرامینٹو کے لئے
انہ ہوگئے، جہاز ایک جگہ ٹھہرا کچھ مسافر اتر گئے باقی اپنی سیٹوں پر بیٹھے رہے، جہاز کو
م آٹھ بجے سیکرامینٹو پہنچنا تھا۔ ابھی کئی گھنٹے باقی تھے میں نے آنکھیں بند کیں تو
لٹر آمنہ اور ڈاکٹر اعظم کے ساتھ کیلیفورنیا میں گزرا ہوا وقت نظروں کے سامنے
رنے لگا، ان سے ملاقات عجیب انداز سے ہوئی ایک دن میری دوست کا فون آیا کہ

ڈاکٹر ہیں میری بیٹی کو ابھی گرین کارڈ نہیں ملا ہے، اس لئے اس کو ہوسپٹل والے بچے کی پیدائش پر چھٹی نہیں دے رہے ہیں، اس کو ایک ہفتے بعد فوراً کام پر جانا ہے ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہماری ایک ہفتے کی بچی کسی امریکن گوری یا کالی کے ہاتھوں میں جائے۔ یہ صرف کچھ مہینوں کی بات ہے اگر آپ اتنا عرصہ ہماری نواسی کو دیکھ لیں تو ہماری نسلیں آپ کی شکر گزار رہیں گی۔ اعظم بچی کو صبح آپ کے پاس چھوڑ جائیں گے اور شام کو ہوسپٹل سے جاتے وقت ساتھ لے جائیں گے آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی صرف دن میں بچی پر نظر رکھنی ہے چھوٹی بچی ہے سوتی ہی رہے گی۔

یہ سب باتیں ان بزرگ نے اتنی مشفقانہ انداز میں کہیں کہ میں منع نہ کر سکی۔ اور اس طرح وہ پیاری بچی میرے ہاں پلنے لگی، سنیچر اتوار کو وہ ہمیں کھانے پر بلاتے اور پھر موی دکھاتے ان کے ساتھ وقت ایسا گزرنے لگا جیسے اپنے بچوں کے ساتھ گزرتا ، کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر آمنہ کو گرین کارڈ مل گیا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے لاس انجیلس بھی چھوڑ دیا۔ مجھے تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میرا کوئی بہت پیارا عزیز دور جا رہا ہو، خاص طور سے بچی ماریا سے جدائی بہت شاق گزری، مگر ان لوگوں کو اپنے مستقبل کے لئے جانا تھا سو چلے گئے، اب بہت عرصہ بعد ملاقات ہونے والی تھی، اس کی مجھے جس قدر خوشی تھی شاید انہیں نہ ہو، بہر حال کیپٹن نے آٹھ بجے سیکرامینٹو پہنچنے کا اعلان کیا ایئر پورٹ پر آمنہ کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی وہ بڑی گرم جوشی سے گلے ملیں، میں نے ڈاکٹر اعظم کو پوچھا وہ بولیں کہ

''وہ بچے سنبھال رہے ہیں آپ کے سامنے تو ایک ہی بچی تھی اب دو لڑکے اور ہیں ماریا جتنی خاموش اور صابر تھی یہ دونوں اتنے ہی تیز طرار اور جھگڑنے والے ہیں۔''

''لڑکے جو ہوئے۔'' میں نے کہا۔

Tahoo پہنچے وہاں کی فرحت بخش اور تازہ ہوا کو لمبے لمبے سانس لے کے سینے میں اسٹور کرنا چاہا، ایک لکڑی کا Deck پانی کے اوپر دور تک چلا گیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ دور تک لوہے کا جنگلہ بنا ہوا ہے، لیک کا پانی اس قدر صاف شفاف تھا کہ لیک کی تہہ میں بچھے ہوئے کنکر اور پتھر کے مختلف رنگ صاف نظر آرہے تھے ہم لوگ حد نظر تک Deck پر جنگلے کے ساتھ ساتھ پانی اور پہاڑوں کا پرکشش نظارہ کرتے ہوئے دور تک چلے گئے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے بینچیں بھی پڑی تھیں، واپسی پر ہم نے دیکھا کہ ایک جوان امریکن مچھلی کی ڈور پانی میں ڈالے بیٹھا ہے اس کے قریب ہی ایک چھوٹا سا بچہ جنگلہ پکڑے کھڑا ہے ذرا ذرا دیر بعد بچہ مڑ کر باپ کو دیکھتا ہے شاید وہ دیر تک کھڑا رہنے کی وجہ سے تھک گیا اور جنگلہ چھوڑ کر ڈیک پر بیٹھ گیا پھر ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد وہ گھٹنوں چلتا ہوا باپ کے آس پاس گھومنے لگا۔ اس کے سنہری بال ہوا میں اڑتے ہوئے بہت اچھے لگ رہے تھے، وہ بہت پیارا سا بچہ تھا مگر بہت چھوٹا مشکل سے چھ سات ماہ کا ہوگا، مگر باپ کے چہرے پر اداسی کے تاثرات تھے میں نے آمنہ سے کہا کہ ''بچے کی ماں نظر نہیں آئی۔''

ڈاکٹر اعظم کہنے لگے ''وہ شاید Job کرنے گئی ہو۔''

آمنہ کہنے لگیں کہ ''میاں مچھلی پکڑنے کا شوقین ہے بیوی نے کہا ہوگا کہ بچے کو بھی ساتھ لے جاؤ اتنی دیر میں وہ گھر کا کام ختم کرلے یا شاید بیمار ہو۔ بیوی کو آرام پہنچانے کی خاطر بچے کو لے کر یہاں آ گیا۔

یہ قیاس آرائیاں کرتے ہوئے سب لوگ آگے نکل گئے مگر میں آہستہ چلتی رہی اور جب اس کے قریب پہنچی تو بے اختیار میرے منہ سے نکلا کہ

''تمہارا بچہ بہت پیارا ہے مگر اس کی ماں کہاں ہے۔''

اس نے میری طرف دیکھا اور ڈور کو ادھر اُدھر کرتا رہا میں وہیں جواب کے انتظار

کنواری دوشیزہ

اس کہانی سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کو کسی کنواری دوشیزہ کی کہانی سنانے جا رہی ہوں۔ میں تو آپ کو یہ بتا رہی ہوں کہ جس ایئر لائن سے ہم نے شکاگو سے لندن سفر کیا اور واپسی میں بھی جس ایئر لائن سے شکاگو واپس آئے وہ Virgin Atlantic تھی۔ اپنے نام کی طرح خوبصورت آرام دہ اور خوشگوار، میرے ہاتھ میں اپنے پرس کے علاوہ ایئر لائن کا دیا ہوا ایک بیگ بھی تھا۔ گھر پہنچ کر جب میں نے اسے کھولا تو میں حیران رہ گئی۔

اس میں ایک چیز بھی میری نہیں تھی، یہ کیا ہوا، کیسے ہوا، آپ ہی بتایئے میں آپ کو سفر کے آغاز سے سناتی ہوں۔ لندن سے ہم جہاز میں داخل ہوئے دل خوش کن استقبال ہوا اور سب سیٹوں پر خوبصورت مختلف رنگ کے ایئر لائن بیگ پڑے ہوئے نظر آئے۔ کھول کر دیکھا تو اس میں دسیوں چھوٹی موٹی چیزیں کام کی نکلیں، مثلاً ٹوتھ پیسٹ، برش، اگر آپ کا دل چاہے تو کھانے کے بعد برش کر سکتے ہیں ہوا بھرے ہوئے موزے ہیں، لمبا سفر ہے جوتے پہنے پہنے انسان اکتا جائے تو موزے پہن کر جہاز میں گھومیئے پھریئے پاؤں کی ورزش بھی ہو جائے گی، سر میں درد ہو تو بام کی ڈبیہ موجود، اگر سونا چاہیں تو آنکھوں پر کالا کپڑا

میں ان کی اس بات کا کیا جواب دیتی سوائے اس کے کہ کتاب انہیں تھمادوں اور کہوں کہ لیجئے پہلے آپ ختم کر لیجئے، مگر اسی وقت جہاز والوں نے کسٹمز کے فارم بھرنے کے لئے دے کر یہ مشکل آسان کردی، وہ بھی فارم لے کر بیٹھ گئیں اور میں بھی کتاب بند کر کے Virgin Atlantic کے بیگ میں رکھ کر فارم بھرنے بیٹھ گئی اس کے بعد پھر ناشتہ اور مشروب وغیرہ پیش کیا گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد شکاگو آنے کا اعلان کر دیا گیا۔

شکاگو آیا سب لوگ اپنے اپنے بیگ لے کر جہاز سے اتر گئے اور اپنے سامان آنے کا انتظار کرنے لگے، میں بھی اپنا بیگ ٹرالی میں رکھے کھڑی تھی، ایئر پورٹ پر ایک افراتفری مچی ہوئی تھی ذرا دیر بعد میں انہی خاتون کو اپنے قریب کھڑے دیکھ کر گھبرا سی گئی، وہ بھی اپنی ٹرولی لئے برابر میں کھڑی تھیں ہم نے ایک دوسرے کی طرف الوداعی مسکراہٹ سے دیکھا اور آتے ہوئے سامان کی طرف متوجہ ہو گئے، اتنے میں کسی نے کہا کہ سامان دوسری طرف آرہا ہے میں وہاں پہنچی سب سامان اتر چکا تھا بہ مشکل تمام اسے ٹرولیوں میں رکھا اور کسٹمز کی طرف چلے خدا خدا کر کے کسٹم ختم ہوا باہر نکلے ہمارے بیٹے ہمیں ایئر پورٹ پر لینے آئے تھے سامان کاروں میں رکھوایا گیا بیٹے کہنے لگے دیکھ لیجئے کہ سب سامان آ گیا ہے؟ اسی وقت مجھے اپنا Virgin Atlantic کا بیگ یاد آیا جس میں کتاب رکھی تھی میں اندر کی طرف بھاگی ایئر پورٹ تقریباً خالی ہو چکا تھا مگر ٹرولی میں بیگ رکھا ہوا مجھے نظر آ گیا جلدی سے میں وہ بیگ اٹھا کر باہر آ گئی اور کار میں بیٹھ گئی گھر آ کر جب بیگ کھولا تو میری کتاب لبیک کا کہیں نام ونشاں نہ تھا اور ان خاتون کی کالی شال جو وہ اوڑھے ہوئے تھیں اس میں موجود تھی ان صاحبہ کی جان کتاب میں اس طرح اٹکی ہوئی تھی کہ کسی طرح وہ ان تک پہنچ گئی بیگ کب اور کس طرح بدلے کچھ پتہ نہ